رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ
اپریل ۲۰۲۳ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مسلمانانِ پاکستان کے لیے
قرآن حکیم کی عملی راہنمائی

بانی تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ

موسس: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

نگران: شجاع الدین شیخؒ

رجوع الی القرآن کورس

تعارفی نشست

قرآن اکیڈمی ڈیفنس

7 مئی 2023

اتوار صبح 9 بجے

آغاز

درج ذیل اکیڈمیز میں

8 مئی 2023

بروز پیر

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

خواتین کیلئے شرکت کا باپردہ انتظام ہے

صبح 08:45 تا دوپہر 01:00 بجے

دورانیہ: 10 ماہ

پیر تا جمعہ

مضامینِ تدریس

سالِ اوّل		سالِ دوم	
بیان القرآن	عربی گرامر	علم العقیدہ	علوم القرآن
قرآن حکیم کا منتخب نصاب	ناظرہ قرآن حکیم و تجوید	اصول التفسیر	تفسیر القرآن
سیرت النبی ﷺ	عقیدہ و فقہ	اصول الحدیث	علم الحدیث
توسیعی محاضرات	فکر اسلامی	اصول الفقہ	فقہ العبادات
ترجمہ قرآن حکیم مع ترکیب	حدیث و سنت	فقہ المعاملات	اللغة العربية وادبها
سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم			الفکر الاسلامی

ہاسٹل کی سہولت قرآن اکیڈمی یسین آباد میں صرف حضرات کے لیے دستیاب ہے

www.QuranAcademy.edu.pk — info@QuranAcademy.edu.pk

قرآن اکیڈمی ڈیفنس	قرآن اکیڈمی یسین آباد	قرآن اکیڈمی کورنگی	قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر	قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد حیدر آباد	دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی لاہور
021-35340022-4	021-36806561	021-35078600	021-34030119	0334-3350910	(042)35473375-78
0334-3088689	0331-7292223	0343-1216738	0323-4030119	0345-2701383	0333-5632242

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ: ۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 72

شمارہ : 4

رمضان المبارک 1444ھ

اپریل 2023ء

فی شمارہ : 50 روپے

سالانہ زرِ تعاون : 500 روپے

اس شمارے کی قیمت: 100 روپے

مدیر
حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت:
ایوب بیگ مرزا، خورشید انجم

نائب مدیر
حافظ خالد محمود خضر

ادارتی معاون:
حافظ محمد زاہد، محمد خلیق

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 ' فون: 3-35869501
فیکس: 35834000 ' ای میل: maktaba@tanzeem.org
ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
رابطہ برائے ادارتی امور: (042)38939321
publications@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: ”دارالاسلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-(042)35473375
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ———— 5

رمضان‘ قرآن اور پاکستان — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القُرآن ———— 9

سورۃ الجن — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکرہ و تبصرہ ———— 23

مسلمانانِ پاکستان کے لیے قرآن حکیم کی عملی راہنمائی — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

منبر و محراب ———— 61

خالق کا بندوں سے خوبصورت خطاب — شجاع الدین شیخ

نشری تقریر ———— 79

عید الفطر اور عید الاضحیٰ — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

شَھْرٌ عَظِیْمٌ ———— 83

رمضان اور قرآن کا باہمی تعلق — احمد علی محمودی

تذکیر و موعظت ———— 93

مؤمن کا قید خانہ — مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت

دعوتِ فکر ———— 103

حفظِ قرآن اور ہمارا طرزِ عمل — حافظ محمد اسد

انوارِ ہدایت ———— 111

رحمتِ حق کی ارزانی — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

فقہ و تحقیق ———— 118

بحالتِ روزہ آنکھ میں دوا ڈالنا اور انجکشن: تحقیقی جائزہ — پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق

بسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیمِ○

رمضان‘ قرآن اور پاکستان

رمضان‘ قرآن اور پاکستان محض ہم قافیہ الفاظ نہیں ہیں‘ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے کسی دوسرے گوشے میں بسنے والے مسلمانوں کی نسبت مسلمانانِ پاکستان کا رمضان اور قرآن سے اضافی تعلق بھی ہے۔ اس لیے کہ پاکستان رمضان کی اُس شب میں قائم ہوا جس کے بارے میں گمانِ غالب ہے کہ وہ لیلۃ القدر ہی ہے‘ جسے قرآن نے نزولِ قرآن کی شب ہونے کی بنا پر ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا۔

اگرچہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ یہ ثابت کر چکی تھی کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کی حقیقی نمائندہ جماعت ہے‘ لیکن پھر بھی ۱۹۴۷ء کے آغاز میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان اسی سال دنیا کے نقشہ پر حقیقت بن کر اُبھر سکے گی۔ انگریز حاکموں اور برصغیر کی بڑی قوم ہندو کی شدید ترین مخالفت کے باوجود اس کا قائم ہو جانا ہی کچھ ناقابلِ فہم سا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن تشکیلِ پاکستان کے تاریخی واقعات کو مرحلہ وار دیکھیں تو اُس سال ستائیس رمضان المبارک کی نصف شب کے قریب قیامِ پاکستان کا اعلان خالصتاً ’’کُن فَیکون‘‘ کا مظہر محسوس ہوتا ہے۔ ۱۹۴۰ء کی قراردادِ لاہور میں پاکستان کا ذکر نہیں تھا بلکہ اس میں آزاد مسلمان ریاستوں کا ذکر ہے۔ اس پس منظر میں ایک ہزار میل سے زائد زمینی فصل رکھنے والے دو حصوں پر مشتمل ایک ریاست کا قائم ہو جانا معجزہ محسوس ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے پاکستان کو بجا طور پر مملکتِ خداداد کہا جاتا ہے۔ لیکن رمضان اور قرآن کے ساتھ مسلمانانِ پاکستان نے کیا سلوک کیا‘ یہ ایک دل فگار کہانی ہے۔ رمضان کو تاجروں‘ سٹاکسٹوں اور صنعت کاروں نے لوٹ کھسوٹ اور چور بازاری کا مہینہ بنا لیا۔ حکومت کا حال یہ ہے کہ وہ اقتدار کی ہوس‘ کرسی سے چمٹے رہنے کی خواہش اور آئی ایم ایف سے معاہدے حاصل کرنے کی حرص کے باعث عوام دشمن فیصلے کر رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرکز میں PDM اور دو صوبوں میں نگران

حکومتوں کی بے بصیرتی و نااہلی‘ پھر یہ کہ اپوزیشن اور اسٹیبلشمنٹ کے مابین جاری جنگ کو عوام سے مذاق ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان بنا کر ہندو سے ہزار سالہ رفاقت ختم کی‘ اُس کی دشمنی مول لی اور نتیجہ کے طور پر ہندو کے ہاتھوں لاکھوں مسلمان بے گھر ہوئے‘ بے شمار قتل ہوئے اور اَن گنت مسلم خواتین کی بے حرمتی ہوئی‘ یعنی پاکستان پر جان‘ مال اور عزّت جو انسان کا کُل سرمایہ ہوتا ہے‘ سب کچھ لٹا دیا۔ ’’پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ‘‘ اتنا پُرکشش نعرہ تھا اور نظریۂ پاکستان کی اصطلاح اتنی دلپذیر تھی کہ یہ قربانیاں حقیر محسوس ہوتی تھیں۔ نظریۂ پاکستان یعنی اسلام کے یوں تو دو بنیادی مآخذ ہیں: قرآن اور حدیث‘ لیکن یہ دو بھی اس طرح اکائی بن جاتے ہیں کہ حضور ﷺ قرآنِ مجسم اور قرآنِ ناطق بھی تو کہلاتے ہیں۔ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ایک حدیث کے مطابق قرآن سیرتِ رسول ﷺ اور خُلقِ رسول ﷺ ہی کا تو بیان ہے۔ یعنی قرآن دینِ متین کا اصل منبع‘ سرچشمہ اور ماخذ ہے‘ اور سُنّتِ رسولؐ قرآن کی تشریح وتفسیر اور دین کا ماخذ ہونے کے ساتھ قرآن کی عملی تعبیر بھی ہے۔ لہٰذا نظریۂ پاکستان کی آبیاری کے لیے پاکستان میں جو پہلا کام ہونا چاہیے تھا وہ یہ تھا کہ قرآن کی تعلیم کو عام کیا جاتا‘ قرآن کی زبان کو سیکھا اور سکھایا جاتا۔ آخر انگریزی زبان میں مہارت حاصل کی جاسکتی ہے تو قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے عربی کیوں نہیں سیکھی جاسکتی؟

اگرچہ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اسے سمجھے بغیر بھی پڑھا جائے تو ایک لطف‘ سرور اور کیف محسوس ہوتا ہے‘ اور ایک مسلمان ثواب کا مستحق بھی ٹھیرتا ہے‘ لیکن عملی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے احکاماتِ قرآنی کو اپنا امام بنانے کی ضرورت تھی۔ اس کے حکم پر آگے بڑھا جاتا اور اس کے روکے رکا جاتا۔ لیکن صد افسوس کہ عوامی اور حکومتی دونوں سطحوں پر عملی زندگی سے اسلام کو خارج کر دیا گیا۔ ہم مصنوعی روشنیوں کے ذریعے عزّت ووقار کا راستہ ٹٹولنے کی کوشش کر رہے ہیں اور فطری روشنی کے مینار قرآن مجید پر ریشمی جزدانوں کے بے شمار غلاف ڈال دیے ہیں اور غیر شعوری طور پر کوشاں ہیں کہ حق کو دبیز ریشمی پردوں میں چھپا دیا جائے۔ یعنی ایمان کے حوالہ سے خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ نتیجتاً ہم صراطِ مستقیم سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ اسلام کے عادلانہ نظام کو اپنانا تو دور کی بات ہے‘ ہم

عام انسانی اخلاقیات سے بھی عاری ہو چکے ہیں۔

اپنے معاشرے پر نگاہ ڈالیں‘ ہماری کوئی کل سیدھی نہیں۔ ظلم‘ ناانصافی‘ کرپشن‘ خیانت‘ جھوٹ‘ بددیانتی اور منافقت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا۔ یعنی لوڈشیڈنگ سے اگر قوم ظاہری و باہری طور پر اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے تو اِن باطنی بیماریوں سے مسلمانانِ پاکستان کا باطن سیاہ ہو چکا ہے۔ اُن کے ضمیر پر مُردنی چھائی ہے اور ارواح مضمحل ہو چکی ہیں‘ جو اجتماعی بے حسی کا سبب بنی ہیں۔ مقتدر طبقات کی لوٹ مار اور دولت اور وسائل کی اس غیر منصفانہ تقسیم نے طبقاتی خلیج کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو نزلہ وزکام کے علاج کے لیے یورپ میں ہسپتال بک کرواتے ہیں اور اپنے کُتوں کے لیے ایئر کنڈیشنڈ کمرے تعمیر کرواتے ہیں‘ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو بنیادی انسانی ضروریات سے محرومی کے باعث بھوک اور بیماری کے ہاتھوں موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔

قیامِ پاکستان کے وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس مملکتِ خداداد میں سیکس ورکرز کا اجتماع ہوگا اور دھوم دھڑلے سے ہوگا‘ نہ حکومت اس پر کوئی گرفت کرے گی اور نہ عوامی سطح پر کوئی احتجاج ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابلیسی سوچ ایک قدم اور آگے بڑھ گئی اور پاکستان میں امریکی سفارت خانہ میں ہم جنس پرستوں کا اجتماع منعقد کیا گیا‘ جس میں مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان سے پچھتر (۷۵) افراد نے شرکت کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دی۔ ٹرانسجینڈر کے نام پر مرد کو عورت اور عورت کو مرد کہلانے اور اپنی خواہشات کو بنیاد بنا کر ’جنس‘ بدلنے کا ملعون فعل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ پھر یہ کہ امریکہ ایک بار پھر پاکستان کو اپنے سامنے سربسجود کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اب وہ ہماری ناک پوری قوت سے زمین پر رگڑ رہا ہے۔ آئی ایم ایف اور دیگر مالیاتی اداروں کے ذریعے ہماری تباہی و بربادی کا بندوبست کر رہا ہے۔ مزید یہ کہ عوام کو حق رائے دہی سے روکنے کے لیے سازشیں تیار کر رہا ہے۔

قصہ مختصر‘ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہم بند گلی میں داخل ہو چکے ہیں۔ لیکن مایوسی کفر ہے۔ ضرورت ہے واپس لوٹنے کی‘ قرآن کی طرف رجوع کرنے کی جو نسخہ کیمیا ہے اور اسی میں ہمارے تمام مسائل کا حل موجود ہے‘ جو ہمیں ماضی سے بھی آگاہ کرتا ہے اور مستقبل کے لیے رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ رمضان کا بابرکت مہینہ ہمیں دعوتِ فکر دیتا ہے کہ ہم غور کریں کہ

ہماری ذلت و رسوائی کی اصل وجہ کیا ہے! ہم یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہم نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ سے ہمارا تعلق نعت گوئی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ لہٰذا عملی لحاظ سے ہمارا معاشرہ سُنّتِ رسولؐ سے لاتعلق ہو چکا ہے (اِلّا ماشاء اللہ)۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا اسلامی ممالک میں سے صرف پاکستان ہی نے دین سے اعراض کیا ہے اور اسے پس پشت ڈالا ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ اس حال کو پہنچا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پاکستان دورِ جدید کا واحد اسلامی ملک ہے جس کے قیام کا جواز اسلام بتایا گیا تھا۔ کسی اور ملک نے اپنے نام کا مطلب ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' نہیں بتایا تھا۔ علاوہ ازیں اگر دوسرے اسلامی ممالک نے بھی قرآن کو ترک کیا ہے تو دنیا میں کون سی عزّت کمائی ہے؟ آج پوری دنیا میں ایک اسلامی ملک بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا دعویٰ کر سکے اور وقت کی عالمی طاقتوں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔ امریکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مسلمانوں کی بستیاں اُجاڑ چکا ہے اور اب بھی مسلمانوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح کچلا جا رہا ہے۔ اس کا ہاتھ صرف اور صرف ایک اسلامی فلاحی ریاست روک سکتی ہے۔ ہر کلمہ گو کا اوّلین دینی فریضہ ہے کہ مذکورہ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے تَن مَن دھن لگا دے۔ یہی حالات کا تقاضا ہے‘ یہی کرنے کا اصل کام ہے‘ یہی جہاد ہے۔

ساڑھے چودہ سو سال قبل مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں قائم ہونے والی پہلی اسلامی ریاست قلیل مدّت میں یورپ‘ ایشیا اور شمالی افریقہ تک پھیل گئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں نے قرآن کو اپنا امام بنا کر انفرادی اور اجتماعی زندگی کی راہیں متعیّن کی تھیں‘ اور آج اگر اسلام کے نام پر بننے والی دوسری ریاست پاکستان ناکامیوں اور محرومیوں سے دوچار ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن سے حقیقی اور عملی تعلق منقطع کر لیا ہے۔ ہم اگر رمضان کی برکات سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں قرآن کو اوڑھنا بچھونا بنانا ہوگا۔ اے کاش! رمضان میں جنم لینے والا پاکستان قرآن کی عملی تعبیر نظر آئے۔ اے کاش! رمضان کے روزے ہمیں ایسی روحانی توانائی بخش دیں کہ ہم اُس نظامِ باطل کا سر کچل سکیں جس نے دنیا میں ہمیں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں دیا اور ہماری اُخروی فلاح بھی مشکوک بنا دی ہے۔

۞۞۞

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُوْرَةُ الْجِنِّ

تمہیدی کلمات

سورۃ الجن منفرد سورت ہے اُس کا کوئی جوڑا نہیں ۔ یہ قرآن مجید کی واحد سورت ہے جس میں جنات کا تفصیلی ذکر آیا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الاحقاف میں بھی جنات کا تذکرہ ہے۔ سورۃ الاحقاف میں ان جنات کے بارے میں بتایا گیا ہے جو حضور ﷺ سے قرآن مجید سن کر ایمان لے آئے تھے جبکہ سورۃ الرحمٰن میں انسانوں اور جنوں کو ﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ...﴾ ایک ساتھ مسلسل مخاطب کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے سورۃ الرحمٰن کی ترجیعی آیت ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝﴾ پوری سورت میں اکتیس (۳۱) مرتبہ دہرائی گئی ہے۔

زیر مطالعہ سورت میں جنات کے ایک گروہ کے کچھ افراد کی باہمی گفتگو کا ذکر ہے۔ ممکن ہے یہ وہی گروہ ہو جس کا ذکر سورۃ الاحقاف میں آ چکا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی دوسرا گروہ ہو۔

آیات ۱ تا ۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا
عَجَبًا ۝ يَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ
اَحَدًا ۝ وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا ۝ وَّ
اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝ وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ
تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ

الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّ اَنَّهُمْ
ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾ وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ
فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا
مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّ اَنَّا
لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ
رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ
قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ
هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا
يَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ
فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا
لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾

آیت ۱ ﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ ’’(اے نبیﷺ!) آپ کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنّات کی ایک جماعت نے بڑے غور سے سنا‘‘

جنّات کی جماعت نے کیا سنا؟ اس کا جواب اگلے جملے میں ہے۔

﴿فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾﴾ ’’تو انہوں نے (جا کر دوسرے جنّات سے) کہا کہ ہم نے سنا ہے ایک بہت ہی دل کو لبھانے والا قرآن۔‘‘

آیت ۲ ﴿يَّهْدِيْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ﴾ ’’جو راہِ راست کی طرف راہنمائی کرتا ہے‘ تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔‘‘

قرآن کے بارے میں جنّات کا یہ ردِّعمل ہم انسانوں کے لیے باعثِ عبرت اور لمحہ فکریہ ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ قرآن سنا اور وہ اس پر فوراً ایمان لے آئے‘ بلکہ قرآن کو سن کر نہ صرف اس پر فوراً ایمان لے آئے بلکہ داعی بن کر اس کا پیغام اپنی قوم تک پہنچانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ دوسری طرف ہم ہیں کہ قرآن کو بار بار پڑھتے ہیں‘ بار بار سنتے ہیں‘ لیکن ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کو اس نیت سے اور اس انداز سے پڑھتے یا سنتے

ہی نہیں کہ وہ ہمارے دِلوں میں اُترے۔ ہم تو رمضان کے قیام اللیل کے لیے بھی اُس مسجد کا انتخاب کرتے ہیں جہاں کے قاری صاحب کم سے کم وقت میں ''منزل'' طے کر لیتے ہوں۔ بلکہ آج کل تو باقاعدہ اشتہارات کے ذریعے مختلف مساجد میں ایک سے بڑھ کر ایک ''پُرکشش پیکج'' پیش کیا جاتا ہے کہ ہمارے ہاں صرف اتنے دنوں میں قرآن ختم کرا دیا جاتا ہے...... ہماری مسجد میں نمازِ تراویح صرف تیس منٹ میں پڑھا دی جاتی ہے' وغیرہ وغیرہ ـــــ اندازہ کیجیے! جہاں قرآن مجید کم ازکم وقت میں ختم کرنے کے لیے دوڑیں لگی ہوں وہاں سمجھنے' سمجھانے کی فرصت کسے ہوگی؟ اب ذرا اس طرزِ عمل کے مقابلے میں مذکورہ جنات کے رویے کا تصور کریں جو ایک ہی مرتبہ قرآن مجید کو سن کر کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ قرآن پر ایمان لانے کا اعلان کرنے کے بعد انہوں نے کہا:

﴿وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝﴾ ''اور اب ہم کبھی بھی اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''

آیت ۳ ﴿وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝﴾ ''اور یہ کہ ہمارے ربّ کی شان بہت بلند ہے' اُس نے اپنے لیے نہ کوئی بیوی بنائی ہے اور نہ کوئی اولاد۔''

آیت ۴ ﴿وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوۡلُ سَفِيۡهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝﴾ ''اور یقیناً ہمارا بے وقوف (سردار) اللہ کے بارے میں خلافِ حقیقت باتیں کہتا رہا ہے۔''

اپنے ''بے وقوف'' سے ان کا اشارہ اپنے سب سے بڑے جن عزازیل (ابلیس) کی طرف ہے۔

آیت ۵ ﴿وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝﴾ ''اور یہ کہ ہم تو اس گمان میں رہے کہ جن اور انسان اللہ پر ہرگز کوئی جھوٹ نہیں باندھیں گے۔''

وہ بدبخت اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا رہا اور ہم اس خوش فہمی میں اس کی باتوں کو مانتے رہے کہ کوئی انسان یا جن اللہ کے بارے میں کبھی کوئی خلافِ حق بات نہیں کر سکتا۔

آیت ۶ ﴿وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ يَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡهُمۡ رَهَقًا ۝﴾ ''اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ مرد جنات میں سے کچھ مردوں کی پناہ پکڑتے تھے' تو انہوں نے ان (جنات) کی سرکشی میں مزید اضافہ کیا۔''

عربوں کے ہاں جِنّات سے پناہ طلب کرنے کا رواج عام تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہر جنگل اور ہر ویرانے میں جِنّات کا بسیرا ہوتا ہے۔ اس لیے جب ان کا کوئی قافلہ صحرا میں کہیں پڑاؤ کرتا تو قافلے کا سردار باآوازِ بلند پکارتا کہ ہم اس وادی کے سردار جن کی پناہ میں آتے ہیں۔ اب ظاہر ہے جِنّات تو انسانوں کی ایسی حماقتوں پر ہنستے ہوں گے کہ دیکھو! آج اسی آدمؑ کی اولاد ہمیں معبود بنائے بیٹھی ہے جسے سجدہ نہ کرنے پر ہمارے جدّ ِامجد کو جنّت سے نکال دیا گیا تھا۔ چنانچہ انسانوں کی ایسی حرکتوں سے جِنّات کے غرور اور سرکشی میں اور بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

آیت ۷ ﴿وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷﴾ ’’اور یہ کہ انہوں نے بھی ایسا ہی سمجھا جیسا کہ تم نے سمجھا ہوا ہے کہ اللہ کسی کو ہرگز نہیں اٹھائے گا۔‘‘

اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھائے گا‘ یعنی بعث بعد الموت کے عقیدے میں کوئی حقیقت نہیں۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی کو بھی رسول بنا کر نہیں بھیجے گا۔ سورۃ الاحقاف میں جِنّات کے تذکرے کے حوالے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جِنّات تورات سے واقف تھے اور وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ پچھلے چھ سو برس سے دنیا میں کوئی رسول نہیں آیا (حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقریباً چھ سو برس کا زمانہ انسانی تاریخ میں سلسلۂ رسالت کے انقطاع کا طویل ترین وقفہ ہے)۔ چنانچہ اپنی ان معلومات کی بنیاد پر جِنّات یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ رسالت کا دروازہ اب ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے اور یہ کہ اب دنیا میں کوئی رسول نہیں آئے گا۔

آیت ۸ ﴿وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ﴾ ’’اور یہ کہ ہم نے ٹٹولا آسمان کو‘‘

ہم نے غیب کی خبروں کی ٹوہ میں آسمان کی پہنائیوں میں حسبِ معمول بھاگ دوڑ کی۔

﴿فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۸﴾ ’’تو ہم نے دیکھا کہ وہ سخت پہروں اور انگاروں سے بھرا ہوا ہے۔‘‘

ہم نے دیکھا کہ آسمان میں اب جگہ جگہ پہرے مقرر کر دیے گئے ہیں اور شہابِ ثاقب کی قسم کے میزائل نصب کر کے حفاظتی انتظامات غیر معمولی طور پر سخت کر دیے گئے ہیں۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی کئی مرتبہ ذکر ہو چکا ہے‘ آگ اور نور کی کچھ خصوصیات مشترک ہونے کے باعث جِنّات اور فرشتوں کے مابین تخلیقی اعتبار سے کچھ نہ کچھ قربت پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرشتے جب

عالَمِ بالا سے احکام لے کر زمین کی طرف آتے ہیں تو شیاطین جن ان سے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور احکام سے متعلق پیشگی خبریں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی خبریں وہ اپنے اُن انسان ساتھیوں تک پہنچانے کے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں جو دنیا میں کاہنوں اور جادوگروں کے روپ میں شرک وضلالت کی دکانیں کھولے بیٹھے ہیں۔ عام حالات میں تو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے شاید ان جنات کو ایسی خبروں تک کسی نہ کسی حد تک رسائی ہو جاتی ہو مگر نزولِ وحی کے زمانے میں انہیں حساس حدود کے قریب بھی پھٹکنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ آیات زیر مطالعہ میں اسی حوالے سے جنات کی چہ میگوئیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

آیت ۹ ﴿وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ﴾ ''اور یہ کہ (اس سے پہلے) ہم اس کے بعض ٹھکانوں میں بیٹھا کرتے تھے کچھ سُن گُن لینے کے لیے۔''

﴿فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ﴾ ''لیکن اب اگر کسی نے کچھ سننے کی کوشش کی''

﴿يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ۝۹﴾ ''تو وہ پائے گا اپنے واسطے ایک انگارہ گھات میں لگا ہوا۔''

آیت ۱۰ ﴿وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے لیے کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے''

﴿اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰ۙ﴾ ''یا اُن کے لیے اُن کے ربّ نے کسی بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔''

جنات کی اس بات سے ایسے لگتا ہے جیسے وہ تورات کے عالم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب کسی قوم کی طرف کوئی رسول مبعوث ہوتا ہے تو اس کے دو امکانی نتائج میں سے ایک نتیجہ ضرور سامنے آتا ہے۔ یا تو متعلقہ قوم اپنے رسول پر ایمان لا کر ہدایت کے راستے پر چل پڑتی ہے یا اُس کا انکار کر کے تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی قوم پر عذاب بھیجنا چاہتا ہے تو اس قوم میں رسول مبعوث کر کے اتمامِ حُجّت ضرور کرتا ہے' جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت میں واضح کیا گیا ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵﴾ ''اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ کسی رسول کو نہ بھیج دیں''۔ چنانچہ آسمانوں پر غیر معمولی سخت حفاظتی انتظامات دیکھ کر جنات یہ تو سمجھ گئے کہ اہلِ زمین کے لیے وحی و رسالت کا سلسلہ پھر سے

شروع ہو چکا ہے‘ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اس سلسلے کا حتمی نتیجہ کیا نکلے گا۔ کیا اللہ تعالیٰ کو اپنے اس فیصلے سے انسانوں کی بھلائی مطلوب ہے یا اُس نے اہلِ زمین کو قومِ نوحؑ‘ قومِ ہودؑ اور قومِ صالحؑ کی طرح ایک مرتبہ پھر تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور ان پر عذاب بھیجنے سے پہلے رسول مبعوث کر کے وہ ان لوگوں پر اتمامِ حُجّت کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے نبوت و رسالتِ محمدی ﷺ تو انسانیت کے حق میں سراسر خیر ہی خیر ہے‘ لیکن ان جنات کو اُس وقت تک اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

آیت ۱۱ ﴿وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ﴾ ’’اور یہ کہ ہم میں نیک لوگ بھی ہیں اور کچھ اس سے مختلف قسم کے بھی ہیں۔‘‘

یہاں نیک کے مقابل میں ان کا اشارہ تو ظاہر ہے سرکش اور فسادی جنات ہی کی طرف ہے‘ لیکن انہوں نے ان کا ذکر ایسے الفاظ کے ساتھ نہیں کیا۔ یہ دراصل حکمتِ تبلیغ کا اہم اصول ہے کہ بُرے کو بھی بُرا نہ کہو۔

﴿كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾﴾ ’’ہم مختلف راستوں پر پھٹے ہوئے تھے۔‘‘

طَرَائِق جمع ہے طَرِيْقَة کی اور قِدَد جمع ہے قِدَّةٌ کی‘ یعنی مختلف الرائے فرقے۔ قَدَّ يَقُدُّ قَدًّا کے معنی پھاڑنے یا کاٹنے کے ہیں۔ جیسے سورۂ یوسف کی آیت ۲۵ میں آیا ہے: ﴿قَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ﴾ ’’اُس (عورت) نے پھاڑ دی آپؑ کی قمیص پیچھے سے۔‘‘

آیت ۱۲ ﴿وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾﴾ ’’اور یہ کہ ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اُسے ہرا سکتے ہیں۔‘‘

آیت ۱۳ ﴿وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ﴾ ’’اور یہ کہ ہم نے جونہی اس ہدایت (الھدیٰ) کو سنا ہم اس پر ایمان لے آئے۔‘‘

﴿فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾﴾ ’’تو جو کوئی بھی ایمان لائے گا اپنے رب پر اُسے نہ تو کسی نقصان کا خوف ہوگا اور نہ زیادتی کا۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہر کسی کے نیک اعمال کا پورا پورا اجر دے گا‘ کسی کے ساتھ کوئی زیادتی یا حق تلفی کا معاملہ نہیں ہوگا۔

آیت ۱۴ ﴿وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ﴾ ’’اور یہ کہ ہم میں فرمانبردار بھی ہیں اور بے انصافی کرنے والے بھی۔‘‘

قَسَطَ (ثلاثی مجرد میں) عدل اور ناانصافی دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور قَاسِط (اسم فاعل) کے معنی ’’ناانصاف‘‘ کے ہوتے ہیں‘ لیکن اَقْسَطَ (بابِ افعال میں) صرف عدل وانصاف کے معنی میں مستعمل ہے۔

﴿فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝۱۴﴾ ’’تو جن لوگوں نے اطاعت قبول کر لی تو انہوں نے ڈھونڈ نکالی نیکی کی راہ۔‘‘

آیت ۱۵ ﴿وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝۱۵﴾ ’’اور جو بے انصاف ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن بن کر رہیں گے۔‘‘

یہ تو تھا جنات کی اس تقریر کا اقتباس جو انہوں نے قرآن سننے کے بعد اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے تبلیغ کی غرض سے کی تھی۔ اس کے بعد خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام کیا گیا ہے۔

آیات ۱۶ تا ۲۸

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۝۱۶ لِّنَفْتِنَهُمْ
فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝۱۷ وَّاَنَّ
الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝۱۸ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ
اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝۱۹ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَ
لَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۰ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا
رَشَدًا ۝۲۱ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ
دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝۲۲ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ
وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۝۲۳ حَتّٰٓى اِذَا
رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ
عَدَدًا ۝۲۴ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ
اَمَدًا ۝۲۵ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۶ اِلَّا مَنِ

ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

آیت ۱۶ ﴿وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾﴾ ”اور (اے نبی ﷺ! آپ کہیے کہ مجھ پر یہ وحی بھی کی گئی ہے) کہ اگر یہ لوگ درست طریقے پر چلتے رہتے تو ہم انہیں خوب سیراب کرتے۔“

یعنی اگر نسلِ انسانی کے لوگ انبیاء ورسل ؑ کے راستے پر چلتے رہتے تو آخرت کی نجات کے ساتھ ساتھ ہم انہیں دنیا میں بھی خوب نوازتے۔ یہاں پر جس مفہوم میں لفظ ”طَرِیْقَۃ“ آیا ہے عین وہی مفہوم لفظ ”شَرِیْعَۃ“ اس آیت میں ادا کر رہا ہے: ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ﴾ (الجاثیۃ:۱۸) ”پھر (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو قائم کر دیا دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر“۔ گویا ان دونوں الفاظ کا مفہوم تو ایک ہی ہے لیکن ہمارے ہاں عام طور پر لفظ ”شریعت“ دین کے ظاہری اور قانونی پہلو کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ ”طریقت“ سے دین کا باطنی پہلو مراد لیا جاتا ہے۔ مثلاً نماز کے فرائض اور واجبات کیا ہیں؟ مختلف ارکان کی ادائیگی کا درست طریقہ کیا ہے؟ کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟ یہ شریعت کا موضوع ہے۔ ظاہر ہے ایسے مسائل معلوم کرنے کے لیے آپ کو کسی فقیہہ یا مفتی سے رجوع کرنا ہوگا۔ لیکن نماز کی اصل روح کیا ہے؟ نماز میں خشوع وخضوع اور حضورِ قلب کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ اور اس کے اثرات کیا ہیں؟ اس قسم کے سوالات طریقت سے متعلق ہیں اور ان کے جوابات آپ کو کسی صوفی سے ملیں گے۔ اوّلین اَدوار کے بزرگانِ دین تو جامع الصفات تھے۔ جو صوفی تھے وہ بہت بڑے عالم اور مفتی بھی ہوا کرتے تھے۔ برصغیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ ایسی ہی ایک جامع شخصیت تھے۔ آپ مفتی‘ مفسّر اور محدّث بھی تھے اور بہت بڑے صوفی اور مرشد بھی۔ آپ مرزا مظہر جانِ جاناں شہید ؒ (آپ اہلِ تشیع کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے) کے خلیفہ تھے۔ آپ کا تعلق شیخ احمد سرہندی ؒ کے سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ سے تھا۔ بہرحال ایسی شخصیات کی موجودگی میں تو شریعت اور طریقت کے درمیان کوئی بُعد نہیں تھا‘ لیکن آج بدقسمتی سے دین کے ان دونوں پہلوؤں کو پھاڑ کر بالکل الگ الگ کر دیا گیا ہے۔

آیت ۱۷ ﴿لِّنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ ؕ﴾ ”تاکہ ہم اس (فراوانی) میں ان کی آزمائش کریں۔“

یعنی ہم لوگوں کو خوب سیراب کر کے اور انہیں مختلف النوع نعمتوں سے نواز کر ان کا امتحان لیتے ہیں۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی آزمائش کے انداز مختلف ہیں‘ وہ کسی کو تونگری اور خوشحالی میں آزماتا ہے تو کسی کو فاقوں میں مبتلا کر کے اس کا امتحان لیتا ہے۔

﴿وَمَنۡ يُّعۡرِضۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهٖ﴾ ”اور جو کوئی بھی اعراض کرے گا اپنے رب کے ذکر سے“

﴿يَسۡلُكۡهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝١٧﴾ ”تو وہ ڈال دے گا اس کو چڑھتے عذاب میں۔“

یعنی اللہ تعالیٰ انہیں ایسے عذاب میں ڈالے گا جس کی شدّت ہر لمحہ بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

آیت ۱۸ ﴿وَّاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ﴾ ”اور یہ کہ مسجد یں اللہ ہی کے لیے ہیں“

یہاں ”مساجد“ سے مراد سجدہ کرنے کی جگہیں یعنی عبادت گاہیں بھی ہیں اور سجدے کے اعضاء (پیشانی‘ ناک‘ ہاتھ‘ پاؤں‘ گھٹنے) بھی۔ یعنی تمام مساجد اور انسانوں کے اعضائے سجدہ سب اللہ کی ملکیت ہیں۔

﴿فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝١٨﴾ ”تو تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو!“

آیت ۱۹ ﴿وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ يَدۡعُوۡهُ﴾ ”اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اُس کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے“

﴿كَادُوۡا يَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِ لِبَدًا ۝١٩﴾ ”تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس پر ہجوم کر کے آ جائیں گے۔“

اللہ کے بندے سے مراد یہاں رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جب آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور اس میں قرآن کی تلاوت فرماتے تو مشرکین یہ کلام سننے کے لیے آپ ﷺ کے گرد بڑے تجسّس سے جمع ہو جاتے تھے‘ لیکن ایمان لانے کو تیار نہیں تھے۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین آپ ﷺ کو نماز میں کھڑا دیکھتے تو ان کے عناد کی آگ بھڑکنے لگتی اور ان کا جی چاہتا کہ آپ ﷺ پر ہلّہ بول دیں اور اس شمعِ ہدایت کو گل کر دیں۔

آیت ۲۰ ﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اَدۡعُوۡا رَبِّىۡ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ مَیں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں“

﴿وَلَاۤ اُشۡرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۰﴾﴾ ”اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔“

آیت ۲۱ ﴿قُلۡ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِكُ لَكُمۡ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾﴾ ”آپؐ کہہ دیجیے کہ مجھے کوئی اختیار نہیں تمہارے لیے کسی نقصان کا اور نہ راہ پر لانے کا۔“

سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے‘ مَیں خود کسی کو ہدایت نہیں دے سکتا۔ اس حوالے سے سورۃ القصص کی یہ آیت بہت واضح ہے: ﴿اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ﴾ (آیت ۵۶) ”آپؐ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو چاہیں‘ بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔“

آیت ۲۲ ﴿قُلۡ اِنِّیۡ لَنۡ یُّجِیۡرَنِیۡ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ﴾ ”آپؐ کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ (کی پکڑ) سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا“

﴿وَّلَنۡ اَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا ﴿۲۲﴾﴾ ”اور نہ ہی میں اُس کے علاوہ سر چھپانے کی کوئی جگہ پاؤں گا۔“

آیت ۲۳ ﴿اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ﴾ ”بس (میرا فرض) اللہ کی طرف سے تبلیغ اور اُس کے پیغامات کا پہنچا دینا ہے۔“

یعنی اگر مَیں نے یہ فریضہ انجام دینے میں کوتاہی کی تو میری جواب دہی ہوگی۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف کی اس آیت میں اپنا قانون واضح طور پر بیان فرما دیا ہے: ﴿فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِیۡنَ اُرۡسِلَ اِلَیۡهِمۡ وَلَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۶﴾﴾ ”پس ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے اُن سے بھی جن کی طرف ہم نے رسولوں کو بھیجا اور لازماً پوچھ کر رہیں گے رسولوں سے بھی۔“

﴿وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ﴾ ”اور جو کوئی بھی اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی نافرمانی کرے گا“

﴿فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ﴿۲۳﴾﴾ ”تو اُس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا۔“

آیت ۲۴ ﴿حَتّٰۤی اِذَا رَاَوۡا مَا یُوۡعَدُوۡنَ﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں گے وہ چیز جس

کی انہیں دھمکی دی جا رہی ہے"

﴿فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾﴾ "اُس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون کمزور ہے مددگاروں کے اعتبار سے اور کون اقلیت میں ہے تعداد کے لحاظ سے۔"

سردارانِ قریش کے طعنوں میں سے حضور ﷺ کے لیے ایک طعنہ یہ بھی تھا کہ آپؐ کی محفل کے مقابلے میں ہماری محفلیں زیادہ باوقار اور پُررونق ہوتی ہیں۔ آپؐ تو نچلے طبقے کے چند غریب' کمزور اور نادار افراد کو لے کر بیٹھے ہوتے ہیں جبکہ ہماری محفلوں میں بڑے بڑے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اس آیت میں ان کے اس طعنے کا جواب دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اپنے حمایتیوں کی طاقت اور تعداد کے لحاظ سے کس کی کیا حیثیت ہے۔ سورۂ مریم میں یہ مضمون زیادہ واضح انداز میں آیا ہے۔

آیت ۲۵ ﴿قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾﴾ "آپؐ یہ بھی کہہ دیجیے کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب آ چکی ہے یا میرا ربّ اس کی مدت اور لمبی کر دے گا۔"

مَا تُوْعَدُوْنَ کا ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ وہ چیز جس کی تم لوگوں کو وعید یا دھمکی دی جا رہی ہے۔ وعدہ اور وعید دونوں الفاظ ایک ہی مادہ (وعد) سے مشتق ہیں۔ اس لحاظ سے وعید (دھمکی) کی حیثیت بھی گویا ایک وعدے کی سی ہے۔ اس آیت کا مضمون ملتے جلتے الفاظ میں سورۃ الانبیاء کی اس آیت میں بھی آ چکا ہے: ﴿وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ کہ اے نبی (ﷺ) آپ انہیں بتا دیں کہ مَیں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب آ چکی ہے یا ابھی دور ہے۔

آیت ۲۶ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ﴾ "وہی ہے غیب کا جاننے والا"

﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾﴾ "پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔"

آیت ۲۷ ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ "سوائے اُس کے جس کو اُس نے پسند فرما لیا ہو اپنے رسولوں میں سے"

اس آیت میں علمِ غیب کے بارے میں بہت اہم اصول بتا دیا گیا ہے۔ یعنی غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ اپنے رسولوںؑ میں سے جسے چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے اس بارے میں مطلع فرماتا ہے۔ اس اصول کے تحت دیکھا جائے تو حضور ﷺ کی ذات سے متعلق علمِ غیب کا مسئلہ خواہ مخواہ متنازعہ بنا دیا گیا ہے۔ اگر تو کوئی شخص علمِ غیب سے مراد ایسا علم لیتا ہے جو بغیر کسی کے بتائے ہوئے حاصل ہو تو ایسا کوئی علم اللہ کی مخلوق میں سے کسی کے پاس بھی نہیں۔ ہر کسی کو جو بھی علم ملا ہے کسی نہ کسی کے سکھانے سے ہی ملا ہے۔ حضور ﷺ کا علم بھی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی علم اللہ تعالیٰ نے ہی عطا کیا ہے۔ ہم جیسے عام انسان بھی اپنے والدین' اساتذہ اور بڑوں سے ہی سیکھتے ہیں۔

اس ضمن میں سب سے پہلے علمِ غیب کی درست تعریف (definition) طے کرنا ضروری ہے۔ یہ حقیقت ہر کوئی تسلیم کرتا ہے کہ ''غیب'' کا تعلق مخلوق سے ہے' اللہ تعالیٰ کے لیے تو کوئی چیز ''غیب'' ہے ہی نہیں' ہر شے ہر آن اُس کے سامنے موجود ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں یا خبریں ہم انسانوں سے پوشیدہ رکھی ہیں وہ ہمارے لیے ''عالمِ غیب'' ہے' مثلاً جنّت' دوزخ' فرشتے وغیرہ۔ اس بارے میں بھی کسی کو کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء ورسل علیہم السلام کو غیب کی خبریں بھی دی جاتی ہیں اور کسی حد تک انہیں عالمِ غیب کا مشاہدہ بھی کرایا جاتا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝۷۵﴾ (الانعام) ''اور اسی طرح ہم دکھاتے رہے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت تاکہ وہ پوری طرح یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے''۔ حضور ﷺ کو معراج کے موقع پر جنّت' دوزخ اور بہت سی دوسری کیفیات کا مشاہدہ کرایا گیا' بلکہ غیب سے متعلق ایسے مشاہدات آپؐ کو عام معمول کی زندگی میں بھی کرائے جاتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ آپؐ نمازِ کسوف (سورج گرہن کے وقت) پڑھا رہے تھے تو نماز کے دوران آپؐ اچانک ایک دفعہ آگے بڑھے اور پھر اسی انداز میں پیچھے ہٹے۔ بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ کے اس عمل کا سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے سامنے اچانک جنّت لے آئی گئی تو میں نے چاہا کہ اس کا پھل توڑ لوں' چنانچہ میرا ہاتھ بے اختیار اُس کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے بعد میرے سامنے دوزخ لے آئی گئی تو اس کی تپش کی وجہ سے میں بے اختیار پیچھے ہٹ گیا۔ بہر حال علم کے اعتبار سے ایک عام انسان اور ایک نبی میں بنیادی طور پر یہی فرق

ہے کہ نبی کو عالمِ غیب کا علم بھی دیا جاتا ہے۔ ورنہ جہاں تک امورِ دنیا کے علم کا تعلق ہے اس بارے میں حضور ﷺ کا واضح فرمان موجود ہے۔ ایک موقع پر آپؐ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْیَاکُمْ))[1] کہ دنیاداری کے اپنے معاملات کے بارے میں تم لوگ بہتر جانتے ہو۔ چنانچہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء و رسل علیہم السلام کو جب چاہے جس قدر چاہے عالمِ غیب کا مشاہدہ کرا دے یا غیب کے علم میں سے جتنا علم چاہے عطا فرما دے۔ البتہ جو کوئی یہ مانے کہ نبی مکرم ﷺ کو کل غیب کا علم تھا وہ کافر ہے۔

حضور ﷺ کے علمِ غیب کے بارے میں بریلوی مکتبہ فکر کے علماء کا نقطہ نظر کیا ہے؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے مَیں نے اپنے زمانہ طالب علمی میں ذاتی طور پر متعدد بریلوی علماء سے ملاقاتیں کیں۔ مَیں جتنے علماء سے ملا ان سب کو میں نے مندرجہ ذیل تین نکات پر متفق پایا:

(۱) حضور ﷺ کا علم ذاتی نہیں‘ عطائی ہے‘ یعنی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

(۲) آپ ﷺ کا علم قدیم نہیں‘ حادث ہے۔ یعنی پہلے نہیں تھا‘ جب اللہ نے عطا کیا تو آپؐ کو علم ہو گیا۔

(۳) آپ ﷺ کا علم لامحدود نہیں‘ محدود ہے۔

دراصل ان تین نکات کے بارے میں مسلمانوں کے کسی مکتبہ فکر میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ سرے سے بحث طلب ہے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو علمِ غیب عطا فرمایا‘ جب چاہا اور جتنا چاہا عطا فرمایا۔ اب کیا میں اور آپ اس بارے میں بحث کریں گے کہ حضور ﷺ کو کس چیز کا علم تھا اور کس چیز کا علم نہیں تھا؟ میری اور آپ کی حیثیت ہی کیا ہے کہ ہم حضور ﷺ کے علم کے بارے میں ناپ تول کریں۔ معاذ اللہ!

﴿فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿٢٧﴾﴾ ’’تو اُس کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے۔‘‘

یعنی جب اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے غیب کے حقائق کا علم کسی رسول کے پاس بھیجتا تو اُس کی

۱۔ صحیح مسلم‘ کتاب الفضائل‘ باب وجوب امتثال ما قالہ شرعًا... ح: ۲۳۶۳‘ عن انس ابن مالک رضی اللہ عنہ۔

حفاظت کے لیے ہر طرف فرشتے مقرر کر دیتا' تاکہ وہ علم نہایت محفوظ طریقے سے رسول تک پہنچ جائے۔

آیت ۲۸ ﴿ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ ''تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے واقعتاً اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں''

یعنی اللہ تعالیٰ یہ بات واضح کر دے۔ اسی حوالے سے اتمامِ حُجّت کے لیے حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حاضرین سے پوچھا تھا: ((اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟)) ''کیا مَیں نے اللہ کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا؟'' اس پر تمام حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا تھا: نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ(۲)

﴿ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝۲۸ ﴾ ''اور وہ احاطہ کیے ہوئے ہے اس سب کچھ کا جو اُن کے پاس ہے اور اُس نے ہر چیز کا حساب کتاب رکھا ہوا ہے گنتی کے ساتھ۔''

۲۔ صحیح مسلم' کتاب الحج' باب حجۃ النبی ﷺ' ح:۱۲۱۸۔

❁ ❁ ❁

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانی تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو ویڈیو کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

مسلمانانِ پاکستان کے لیے
قرآن حکیم کی عملی راہنمائی

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

جامع مسجد قرآن اکیڈمی، ڈیفنس، کراچی میں
دورۂ ترجمۂ قرآن کی اختتامی نشست سے خطاب
(بتاریخ: ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ/ ۲۶ جنوری ۱۹۹۸ء)

خطبۂ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات:

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا
یُحۡیِیۡكُمۡ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوۡلُ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَیۡهِ
تُحۡشَرُوۡنَ۝۲۴ وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡكُمۡ خَآصَّةً ۚ
وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ۝۲۵ وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ اَنۡتُمۡ قَلِیۡلٌ
مُّسۡتَضۡعَفُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ تَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمۡ
وَاَیَّدَكُمۡ بِنَصۡرِهٖ وَرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ۝۲۶ یٰۤاَیُّهَا
الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَخُوۡنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ وَتَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِكُمۡ وَاَنۡتُمۡ
تَعۡلَمُوۡنَ۝۲۷ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ
اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ۝۲۸﴾ (الانفال)

رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ وَیَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِیۡ یَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ

میری اس وقت کی گفتگو کا موضوع ہے: ''بحالاتِ موجودہ مسلمانانِ پاکستان کے لیے قرآن حکیم کی عملی راہنمائی''۔ الحمدللہ' ہم نے پورے ۲۵ دن قرآن پڑھا ہے۔ بہت سے حضرات نے پابندی سے شرکت کی ہے اور پورے قرآن کے ترجمے سے گزرے ہیں۔ قرآن مجید میں کہیں گفتگو مشرکین سے' کہیں منافقین سے اور کہیں منکرینِ آخرت سے ہو رہی ہوتی تھی۔ کبھی یہود سے' کبھی نصاریٰ سے' کبھی مسلمانوں سے۔ مکّی اور مدنی سورتوں کا اپنا الگ الگ رنگ اور انداز ہے۔ پھر اس میں عبادات کے ضمن میں احکامِ الٰہیہ بھی آئے ہیں۔ معاشرتی احکام ہیں' عائلی قوانین ہیں۔ سیاسی نظام کے حوالے سے ہدایات آئی ہیں۔ ویسے تو قرآن مجید میں زندگی کے ہر گوشے اور ہر آنے والے دور کے لیے ہدایت ہے لیکن اس وقت مَیں نے دو اعتبارات سے عنوان معیّن کیا ہے یعنی ''بحالاتِ موجودہ'' اور ''مسلمانانِ پاکستان'' کے لیے قرآن حکیم کی عملی راہنمائی کیا ہے! البتہ پہلے قرآن مجید کی وہ راہنمائی جو اَبدی ہے' اساسی ہے' زمان و مکاں کی حدود سے ماورا ہے' اُس کا خلاصہ چند نکات کی شکل میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

ہمارے بنیادی فرائض

۱) حقوق اللہ کی ادائیگی

پہلی بات یہ ہے کہ انسان اللہ کا حق ادا کرے' یعنی توحید پر یقین رکھے۔ توحید کا اعتقادی پہلو یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے۔ وہ اپنی ذات میں تنہا ہے۔ کوئی اُس کا مدِّمقابل اور کفو نہیں ہے' نہ اس کی صفات میں نہ اُس کی ذات میں۔ توحید کے عملی پہلو پر ہم نے اس دورۂ ترجمہ قرآن کے دوران چار سورتوں میں بڑی مفصّل بحثیں کی ہیں۔ عملی توحید چار نکات پر مشتمل ہے۔ پہلا نکتہ سورۃ الزمر کا مرکزی مضمون ہے۔ اللہ کی عبادت اپنی اطاعت کو صرف اُس کے لیے خالص کرتے ہوئے کی جائے: ﴿فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ۝۲﴾۔ عبادت میں نماز' روزہ بھی شامل ہیں۔ لیکن ایسی عبادت جس کے ساتھ اللہ کی خالص اطاعت نہیں ہو رہی' وہ منقسم ہے۔ مثلاً کہیں اپنے نفس کی فرماں برداری ہو گئی

اور اللہ کی اطاعت کو پسِ پشت ڈال دیا گیا۔ اس ضمن میں فرمایا گیا: ﴿اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ﴾ (الجاثیۃ:۲۳) ''کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس ہی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے!'' نفس ہی اُس کا حقیقی مطاع ہے۔ زبان سے تو وہ ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' کہتا ہے جبکہ دل میں خواہشِ نفس کو اِلٰہ بنا رکھا ہے۔ چنانچہ اللہ کی خالص اطاعت وہی ہوگی جو کُلّی طور پر کی جائے گی۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ﴾ (البقرۃ:۲۰۸) اگر اطاعتِ الٰہی زندگی کے کچھ حصے میں کی جائے اور کچھ میں نہ کی جائے، گویا اطاعت کے حوالے سے انسان خود کو تقسیم کر لے تو اس پر قرآن حکیم میں بڑی سخت وعید آئی ہے:

﴿اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتٰبِ وَتَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ یَّفۡعَلُ ذٰلِکَ مِنۡکُمۡ اِلَّا خِزۡیٌ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یُرَدُّوۡنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾﴾ (البقرۃ)

''کیا تم کتاب (اور شریعت) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے! تو جو کوئی بھی یہ روش اختیار کرے گا اُس کی اس کے سوا کوئی سزا نہیں ہے کہ (ایسے لوگ) دُنیا میں تو ذلیل و خوار کر دیے جائیں اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں جھونک دیے جائیں۔''

لہٰذا عبادت میں ''مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ'' ہونا ضروری ہے۔

اسی کا ایک اور پہلو دعا ہے: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةُ)) ''دعا عبادت کا مغز (جوہر) ہے۔'' اور ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) ''دعا ہی دراصل عبادت ہے۔'' (سنن الترمذی) یہ سورۃ المؤمن کا مرکزی مضمون ہے۔ ﴿فَادۡعُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ﴾ (المؤمن:۱۴) ''پس تم اللہ کو پکارو اُسی کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔'' اگر اللہ کے ساتھ پوری وفاداری نہیں ہے تو پھر کس منہ سے دعا کی جا رہی ہے! اس حوالے سے ایک حدیث مبارکہ بھی ہے۔ ایک شخص حج کے لیے گیا ہے اور جبلِ رحمت پر ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگ رہا ہے: یَارَبِّ، یَارَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ! (صحیح مسلم) ''جبکہ

اُس کا کھایا ہوا حرام کا ہے‘ پیا ہوا حرام کا ہے‘ اُس کا لباس حرام (کمائی) کا ہے‘ اور وہ حرام غذا سے پلا بڑھا ہے تو اُس کی دعا کیسے قبول ہو!‘‘ دعا اگرچہ مُخُّ الْعِبَادَةُ ‘ هُوَ الْعِبَادَةُ ہے‘ لیکن یہ اس حال میں کی جانی چاہیے کہ بندہ یکسو ہو کر اپنی کُل اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر لے۔

اس سے اگلا قدم کسی ایک فرد سے دوسرے فرد کو دعوت ہے۔ اب اسی کے داعی بن کر کھڑا ہوا جائے۔ لوگوں کو اسی کی دعوت دی جائے کہ وہ بھی اللہ کی بندگی کریں‘ اللہ ہی کو پکاریں۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾﴾ (حٰمٓ السجدة)

’’اور اُس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہوگی جو بلائے اللہ کی طرف اور وہ نیک عمل کرے اور کہے کہ مَیں مسلمانوں میں سے ہوں۔‘‘

یہ سورۃ حٰمٓ السجدة کی مرکزی آیت ہے۔

چوتھا اور آخری مرحلہ یہ ہے کہ ’’مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ‘‘ کی حالت کیسے حاصل ہو! ملک میں قانون کسی اور کا چل رہا ہے۔ عدالتیں اسی قانون کے مطابق فیصلے کر رہی ہیں۔ معاشی نظام احکامِ الٰہی پر مبنی نہیں ہے۔ کاروبار اور لین دین کی بنیاد سود پر ہے۔ صنعت اور حکومت کے تمام مالیاتی امور سود پر قائم ہیں۔ ہم بھی تو اسی ملک کے شہری ہیں۔ ایسے میں ’’مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ‘‘ کا مقصد اُسی وقت پورا ہوگا جب پورے نظامِ زندگی پر اللہ کی اطاعت کا سکّہ قائم ہو جائے۔ اس کا نام ہے اقامتِ دین۔ چنانچہ سورۃ الشوریٰ کا مرکزی مضمون یہی ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسٰۤى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

’’(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہارے لیے دین میں وہی کچھ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوح کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی

طرف کی ہے‘اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو کہ قائم کرو دین کو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔‘‘

اس حوالے سے قرآن مجید میں دوٹوک الفاظ میں ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۴﴾ (المائدۃ) ’’اور جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔‘‘ ہماری عدالتوں میں فیصلے تو اللہ کے قانون کے مطابق نہیں ہو رہے ہیں۔ فیصلے کرنے والے‘ فیصلے کروانے والے‘ فیصلے ماننے والے‘ فیصلے نافذ کرنے والے‘ فیصلوں کی تنفیذ کرنے والے سب اس کی زد میں آ رہے ہیں۔ اگلی آیت مبارکہ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۵﴾ کی رو سے وہی تو ظالم ہیں‘ مشرک ہیں۔ اور ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷﴾ کے مطابق وہی تو باغی ہیں‘ سرکش ہیں۔ لہٰذا اس ساری صورتِ حال سے نکلنے کی صرف ایک شکل ہے کہ ہمہ تن‘ ہمہ وقت دین کو قائم کرنے کی جدّوجُہد کی جائے۔ اس نظامِ باطل کے ساتھ reconsile نہ کیا جائے‘ نہ ذہناً نہ قلباً۔ اگر کوئی اور راستہ نہیں ہے تو under protest رہیں کہ مَیں نے اس نظام کو دل اور دماغ سے قبول نہیں کیا۔ مَیں اس سے صرف اسی قدر استفادہ کروں گا جو میری بقا کے لیے ضروری ہے جبکہ اپنی ساری توانائی‘ قوت‘ صلاحیت اور سارے وسائل و ذرائع اس نظام کو جڑ سے اکھیڑ کر اس کی جگہ اللہ کا دیا ہوا نظام قائم کرنے کے لیے وقف کر دوں گا۔ اس کے علاوہ کوئی اور شکل نہیں ہے۔

اسی کا نام تکبیر ربّ ہے‘ یعنی اپنے رب کو بڑا کرو: ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳﴾ (المدثر) اسی مقصد کے لیے رسولِ اکرم ﷺ مبعوث فرمائے گئے: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (التوبۃ:۳۳‘ الفتح:۲۸‘ الصف:۹) ’’وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دینِ حق دے کر تاکہ وہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل نظامِ زندگی پر۔‘‘ اسی کے لیے ارشاد ہوا: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الانفال:۳۹) ’’اور ان سے جنگ کرتے رہو یہاں

تک کہ فتنہ (کفر) باقی نہ رہے اور دین کُل کا کُل اللہ ہی کا ہو جائے۔'' یہ تمام اصطلاحات ''عباراتنا شتّٰی وحُسنک واحد'' کا مصداق ہیں۔ مطلب ایک ہی ہے کہ دین کو قائم کرو‘ دین کے مکمل نظام کو برپا کرو تا کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشے اللہ کی اطاعت کے اندر آجائیں۔ اس کے بغیر اللہ کا حق ادا نہیں ہوسکتا‘ جو کہ سب سے پہلا کام ہے۔ یہ جو فرمایا گیا ﴿وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ ۝۵۶﴾ (الذّٰریٰت) ''مَیں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے'' تو اس عبادت کے یہ لوازم ہیں: ﴿فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ ۝۲﴾ (الزمر)۔ ﴿فَادۡعُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ﴾ (المؤمن: ۱۴)۔ اسی کی دعوت دوسروں کو دو۔ ﴿اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ؕ﴾ (النحل: ۱۲۵) ''(اے نبی ﷺ!) آپ دعوت دیجیے اپنے ربّ کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ‘ اور ان سے بحث کیجیے بہت اچھے طریقے سے۔'' اللہ کے دین کو بتمام و کمال قائم کرنے کے لیے تن من دھن لگادو۔

۲) رسول اللہ ﷺ کے حقوق کی ادائیگی

اللہ کے بعد دوسرا حق ہم پر رسول اللہ ﷺ کا ہے‘ جن کی بدولت ہمیں یہ ہدایت نصیب ہوئی۔ ہمارے ماں باپ کو ان کے والدین سے ملی‘ انہیں ان کے آباء سے ملی۔ اس میں حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی محنتیں ہیں۔ آپؐ کے صحابہؓ کی جِدّ و جہد ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ﴾ (الفتح: ۲۹) کیسی کیسی مشقتیں جھیلی گئی ہیں‘ تب یہ دین غالب ہوا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے ہم پر سارے حقوق تو یہاں بیان نہیں ہو سکتے‘ البتہ ایک بات سمجھنے کی ہے کہ آپ ﷺ تمام دنیا کے لیے اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر پانچ مرتبہ آیا ہے جن میں سب سے نمایاں دو آیتیں ہیں: ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۰۷﴾ (الانبیاء) ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔'' ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا﴾ (سبا: ۲۸) ''اور (اے

نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو سارے ہی انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' نبی اکرم ﷺ نے بنفسِ نفیس اپنی رسالت کے فرائض ملک عرب اور قومِ عرب کی حد تک تو پورے کر دیے جبکہ باقی دنیا کے لیے اُس وقت بھی اور آنے والے ہر انسان کے لیے یہ فریضۂ رسالت اُمّت کے کندھے پر ڈال گئے۔ حجۃ الوداع میں گواہی لی گئی: ((اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ؟)) ''کیا مَیں نے پہنچا دیا؟'' اور جب جواب مل گیا: نَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّیْتَ وَنَصَحْتَ یعنی ''ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا' حقِ رسالت ادا کر دیا' حقِ نصیحت ادا کر دیا'' تو آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ((اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ!)) ''اے اللہ! تُو بھی گواہ رہنا!'' پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ((فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ)) (متفق علیہ) کہ اب لازم ہے ان پر جو یہاں موجود ہیں کہ پہنچائیں ان کو جو یہاں نہیں ہیں۔ گویا اب یہ بوجھ میرے کندھوں سے تمہارے کندھوں پر آ گیا ہے۔ لہٰذا اگر ہم اُمتی ہیں تو مقروض ہیں محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے۔ اگر یہ خواہش ہے کہ آپ ﷺ کی شفاعت ملے تو آپؐ کا حق ادا کرنا ہوگا۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط﴾ (البقرۃ: ۱۴۳) ''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمّتِ وَسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو۔'' اس کے کم سے کم دو تقاضے ہیں۔ پہلا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک ایک فردِ نوعِ بشر کو قرآن حکیم کی تبلیغ اس اُمّت کے ذمے ہے۔ اگر قرآن نہیں پہنچایا تو اس کا مطلب ہے کہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا پیغام اُن تک نہیں پہنچا۔ ایسے میں قیامت کے دن اُمّت کیا جواب دے گی! حضور ﷺ نے فرمایا تھا: ((قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ: کِتَابُ اللّٰہِ)) (صحیح مسلم) ''مَیں تمہارے مابین ایک ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر اس کو مضبوطی سے تھام لو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے' یعنی اللہ کی کتاب!'' اب پہنچاؤ اس کو نوعِ انسانی تک۔ سورۃ الانعام کی آیت کے مطابق: ﴿وَاُوْحِیَ

اِلَیَّ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَکُمۡ بِہٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ ؕ﴾ (الانعام:۱۹) ’’یہ قرآن مجھ پر وحی کیا گیا ہے تاکہ تمہیں بھی خبردار کر دوں اور اُن کو بھی جن تک یہ قرآن پہنچ جائے‘‘۔ ان تک گویا کہ میرا انذار پہنچ جائے گا۔ قرآن پہنچانے کا یہ کام ہر اُمتی کے ذمہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ہم پر دوسرا حق یہ ہے کہ قابلِ قدر آبادی پر مشتمل دنیا کے کسی ایک ملک میں اسلام کا انفرادی و اجتماعی نظام پوری طرح قائم کر کے دکھا دیا جائے تاکہ سب دیکھ لیں کہ یہ کوئی خیالی جنّت (utopia) یا ناقابلِ عمل معاملہ نہیں ہے۔ دنیا دیکھ لے کہ اس کی برکات کیا ہیں! سب کو علم ہو جائے کہ کس طرح کا معاشرہ وجود میں آتا ہے‘ کیسا معاشی انصاف ہوتا ہے! مادر پدر آزادی نہیں ہے لیکن حریت موجود ہے۔ کمیونزم والی مساوات نہیں ہے لیکن حکومت ہر شہری کی بنیادی ضرورتوں کی کفالت کی ذمہ دار ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر دجلہ وفرات کے کنارے کوئی کُتا بھی بھوکا مر گیا تو عمرؓ ذمہ دار ہو گا۔ آج انسان ایک ایسے اجتماعی نظام کے لیے دوڑ دھوپ کر رہا ہے جس میں سیاسی‘ معاشرتی اور معاشی حوالے سے ساری خوبیاں ہوں۔ کبھی فرانسیسی انقلاب‘ کبھی بالشویک انقلاب‘ یہ سب اسی لیے ہے کہ ظلم اور استحصال سے پاک کوئی ایسا نظام ہو جس میں عدل و انصاف میسّر ہو‘ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو۔ جب تک ہم ایسے نظام کو قائم کر کے نہیں دکھا دیں گے‘ یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ ہم نے اللہ کے نبی ﷺ کا حق ادا کر دیا۔ ایسے میں دنیا کا یہ شکوہ بجا ہو گا کہ اگر مسلمان ایک اعلیٰ نظام کے حامل ہونے کے دعوے دار ہیں تو اسے اپنے ہاں قائم کیوں نہیں کرتے! ہمارا عمل ہمارے قول کی نفی کر رہا ہو گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا نہیں ہوتا جب تک کہ اسلام کو کُلّی طور پر قائم نہ کیا جائے اور رسول ﷺ کا قرض بھی ادا نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ کے دین کا پورا نظام قائم نہ کیا جائے۔

۳) حقوق العباد کی ادائیگی

اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کے بعد ہم پر تیسرا حق بندوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کے حوالے سے کوئی کوتاہی یا کمی معاف بھی کر دے گا لیکن حقوق العباد کا معاملہ ایسا

نہیں ہے۔ بندوں کا حق یہ ہے کہ انہیں عدل وانصاف ملے‘ اُن کے حقوق غصب نہ کیے جائیں۔ قرآن مجید میں یہ بات تکرار کے ساتھ آئی ہے‘ جسے ہم نے اپنے ذہن سے نکال دیا ہے۔ اسلام کو ہم نے محض ایک مذہب بنا دیا ہے۔ گویا یہ صرف آخرت سے متعلق ہے۔ یہاں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ظلم برداشت کرلو‘ آخرت میں تمہیں اس کا اجر مل جائے گا۔ اس طرزِ فکر کا نتیجہ یہ نکلا کہ کارل مارکس نے کہا: Religion is the opium of the masses اس کے برعکس قرآن کا نتیجہ یہ ہرگز نہیں ہے۔ اسلام تو عدل اجتماعی پر مبنی نظام عطا کرتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ﴾ (آیت ۱۸) کہ اللہ خود عدل کا قائم کرنے والا ہے۔ انبیاء و رُسل ؑ کو اسی مقصد کے لیے بھیجا گیا۔ سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں ارشاد ہوا: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ﴾ ’’ہم نے اپنے رسول بھیجے معجزات دے کر اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمائی‘‘۔ گویا حقوق اور فرائض کا توازن قائم کیا۔ یہ کوئی بے مقصد عمل نہیں تھا۔ یہ سارا کھکھیڑ اس لیے مول لیا گیا: ﴿لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾ ’’تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں‘‘۔ ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ.....﴾ ’’اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس میں جنگ کی صلاحیت ہے.....‘‘ جو لوگ ظلم چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوں‘ لوہے کی طاقت کے ساتھ ان سے نمٹا جائے۔ آگے فرمایا: ﴿وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ۭ﴾ ’’تاکہ اللہ جان لے (یعنی ظاہر کر دے) کہ کون مدد کرتا ہے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی غیب میں ہونے کے باوجود‘‘۔ اللہ دیکھ لے وہ کون سے بندے ہیں جو میرے وفادار ہیں‘ میرے نظامِ عدل وقسط کو قائم کرنے کے لیے تن من دھن لگانے کو تیار ہیں‘ اپنی جانیں قربان کرنے پر راضی ہیں۔

انزالِ کتب اور ارسالِ رسل کا بنیادی مقصد دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنا تھا۔ سورۃ الشوریٰ میں حضور ﷺ کو مخاطب کیا گیا کہ آپ کہہ دیجیے: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ۭ﴾ (آیت ۱۵) ’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مَیں تمہارے مابین عدل قائم کروں۔‘‘

سورۃ النساء میں مسلمانوں سے کہا گیا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ (آیت ۱۳۵) ''اے اہلِ ایمان! عدل کو قائم کرنے والے بن کر کھڑے ہو جاؤ پوری طاقت کے ساتھ اللہ کے گواہ بن کر'' اس لیے کہ اللہ خود قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ہے۔ اس کی گواہی اسی طرح ہوگی کہ تم اُس کے نظامِ عدل وقسط کو قائم کرو۔ یہی مضمون سورۃ المائدۃ میں یوں بیان ہوا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ (آیت ۸) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے' راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ'' اللہ کے لیے کھڑے ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا اللہ کی کوئی ضرورت پوری کرنی ہے؟ نہیں' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے نظامِ عدل وقسط کو قائم کرو۔

دین کا یہ پہلو سرے سے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ انسانوں کا یہ حق ہے کہ انہیں ظلم سے نجات دلائی جائے۔ حضورِ اقدس ﷺ کی شان تو یہ تھی: ﴿وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ﴾ (الاعراف:۱۵۷) کہ آپؐ نے آ کر دُنیا والوں کی گردنوں میں پڑے طوق اُتارے ہیں۔ سود کی جڑ کاٹ کر سرمایہ داروں کی غلامی سے نجات دلائی۔ بادشاہت کی جڑ کاٹ کر سب کو برابر کر دیا۔ ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی' باقی بتانِ آزری!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((یَا اَیُّهَا النَّاسُ كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا)) ''لوگو! سب کے سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ'' تم میں سے کوئی آقا نہیں ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جب مسلمانوں نے ایران پر حملہ کیا تو ایرانی افواج کے سپہ سالار رستم نے یہ سوال کیا کہ آپ ہم پر کیوں چڑھ دوڑے ہیں؟ پہلے بھی عرب کے بدو کبھی کبھی آتے تھے لیکن لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ اس دفعہ ہماری جان نہیں چھوٹ رہی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ رشتہ میں حضور ﷺ کے ماموں زاد بھائی لگتے ہیں۔ ان کا شمار عشرۂ مبشرہ میں

ہوتا ہے۔ ان کا ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ وہ واحد صحابی ہیں کہ جن کے لیے حضور ﷺ نے کہا ہے: ''تم پر میرے ماں باپ قربان!'' غزوہ اُحد میں جب حضور ﷺ پر کفار کا نرغا ہوا تو حضرت سعدؓ تیر بھی چلا رہے تھے اور دشمنوں کو روک بھی رہے تھے۔ حضور ﷺ ان کو اپنے ترکش میں سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے: ((یَا سَعْدُ اِرْمِ فِدَاکَ اُمِّی وَأَبِی)) (صحیح البخاری) ''سعد! تیر چلاتے جاؤ' تم پر میرے ماں باپ قربان۔'' حضرت سعدؓ نے رستم کو یہ جواب دیا کہ اس مرتبہ ہم خود نہیں آئے بلکہ اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا ہمیں تو بھیجا گیا ہے۔ ہم ایک مشن پر ہیں۔ اللہ نے بھیجا اپنے رسول ﷺ کو اور اللہ کے رسول ﷺ نے بھیجا ہمیں۔ وہ مشن ہے: لِیُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجِهَالَةِ اِلٰی نُوْرِ الْاِیْمَانِ تاکہ لوگوں کو نکالیں جہالت اور جاہلیت کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی کی طرف۔ وَمِنْ جَوْرِ الملوک اِلٰی عَدلِ الاسلام اور بادشاہوں کے ظلم وستم کے پنجے سے نجات دلا کر اللہ کے نظامِ عدل کی طرف۔

اس نظام کا نمونہ ہمیں دورِ خلافت راشدہ میں ملتا ہے۔ اُس وقت دنیا کی عظیم ترین مملکت کے فرماں روا کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایران سے ایک سفیر مدینہ منورہ آیا تو لوگوں سے پوچھا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہوتا ہے؟ جواب ملا: لَیْسَ لَنَا مَلِکٌ' بَلْ لَنَا اَمِیْرٌ ہمارا کوئی بادشاہ نہیں ہے بلکہ ہمارا ایک امیر ہے۔ پوچھا گیا: کہاں ہے؟ کوئی محل نظر نہیں آیا' وہ کہاں رہتا ہے؟ بتایا گیا کہ اس کا محل تو کوئی ہے نہیں' اس وقت وہ بیت المال کے گمشدہ اونٹوں کو تلاش کرنے گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۷ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے نتیجے میں جب پورے ہندوستان میں کانگریس کی وزارتیں بنی ہیں تو گاندھی نے اپنے اخبار ''ہریجن سیوک'' میں ایک مقالہ لکھا تھا کہ میں آپ کے سامنے ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کی مثالیں پیش کرتا ہوں' ان کی پیروی کریں۔ یہ تھا وہ جادو جو سر چڑھ کر بولا!

لہٰذا یہ تین حقوق ہیں: اللہ کا حق اقامتِ دین' رسول ﷺ کا حق تبلیغ دین اور دین کا ایک عملی نمونہ دکھا دینا تاکہ حُجّت قائم ہو جائے' اور انسانوں کا حق کہ انہیں ظلم وستم کے

پنجوں سے نجات دلا کر اسلام کے نظامِ عدل کے تحت لایا جائے۔ یہ تینوں حق جا کر مل گئے ہیں ایک ہی چیز پر جس کا نام ''اقامتِ دین'' ہے۔ یہ چیزیں جو میں نے بیان کی ہیں' دائمی اور ابدی ہیں۔ ایک مسلمان چاہے اکیلا ہو اور کہیں بھی ہو' اسے سمجھنا چاہیے کہ یہ میری ذمہ داریاں ہیں۔ آج شروع کرے' کل ایک اور آدمی مل جائے گا تو دو ہو جائیں گے۔ ایک اکیلا دو جماعت! ایک اکیلا دو گیارہ! کامیابی نہیں ملتی تو کوئی بات نہیں۔ فرض تو بہرحال ادا کرنا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک دعوت دیتے رہے' ظاہری اعتبار سے ناکام رہے۔ حقیقت میں تو کامیاب وہی ہوئے جبکہ باقی قوم ہلاک ہوگئی۔

قرآن حکیم میں پاکستان کا ذکر

اب میں چاہتا ہوں کہ خاص پاکستان کے حوالے سے بات کروں۔ پہلی بات تو یہ کہ ؏ ''اپنی خودی پہچان' او غافل افغان!'' یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان کی حقیقت کیا ہے! کیا یہ دوسرے مسلمان ممالک ہی کی طرح ایک مسلم ملک ہے یا اس کی کوئی خصوصی اہمیت اور حیثیت ہے؟ کیا اس کا کوئی امتیازی مقام اور مرتبہ ہے؟

تحریکِ پاکستان کا پس منظر

قیامِ پاکستان کا اصل جذبہ محرکہ سورۃ الانفال کی آیت ۲۶ کے حوالے سے سامنے آتا ہے۔ فرمایا گیا: ﴿وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ اَنۡتُمۡ قَلِیۡلٌ مُّسۡتَضۡعَفُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ تَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑی تعداد میں تھے اور زمین میں دبا لیے گئے تھے' تم اس سے خوف زدہ تھے کہ لوگ تمہیں اُچک لیں گے''۔ اِس وقت میں اس کی تفسیر نہیں کر رہا کہ اس آیت کا شانِ نزول کیا تھا اور اس کے نزول کے وقت کیا حالات تھے' بلکہ الفاظ کے عمومی مفہوم کے حوالے سے جس طرح یہ آیت تحریک پاکستان پر صد فی صد منطبق ہو رہی ہے' اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جب تم اقلیت میں تھے' تمہیں زمین میں دبا لیا گیا تھا۔ ہندو زیادہ بیدار' زیادہ سرمایہ دار اور زیادہ تعلیم یافتہ تھا جبکہ انگریز اُس کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریز نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی'

چنانچہ انہی سے بغاوت کا اندیشہ تھا۔ ہندو تو پہلے بھی غلام تھا اور اس کے لیے محض حکمرانوں کی تبدیلی کا معاملہ تھا۔ پہلے مسلمانوں کا غلام تھا‘ اب عیسائیوں کا ہو گیا۔ اسی لیے اسے مسلمان کے مقابلے میں اٹھایا گیا۔ اس سے مسلمانوں میں ایک خوف پیدا ہوا کہ جب انگریز ہندوستان سے چلا جائے گا تو پھر کیا ہو گا! اب تو پھر بھی کسی نظام کی عمل داری ہے‘ جنگل کا قانون نہیں ہے۔ اگر یہ ملک آزاد ہو گیا تو دنیا کے مروّجہ اصولوں کے مطابق one man one vote کا معاملہ ہو گا۔ ایسے میں مسلمان تو پوری طرح ہندوؤں کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ ہندو اُن کی تہذیب‘ تمدن‘ ثقافت‘ زبان‘ معاش حتیٰ کہ مذہب تک پر حملہ کرے گا اور تقریباً ایک ہزار سالہ اپنی غلامی کا بدلہ چکانے کی کوشش کرے گا۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد اندرا گاندھی کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تھے کہ:

We have avenged our thousand-year slavery

مذکورہ آیت میں آگے ارشاد ہوا: ﴿فَاٰوٰىكُمۡ﴾ ’’تو اللہ نے تمہیں پناہ دی۔‘‘ پاکستان کے نام سے دو قطعاتِ ارضی دیے کہ تم اس میں حفاظت سے رہو۔ ﴿وَاَيَّدَكُمۡ بِنَصۡرِهٖ﴾ ’’اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید فرمائی۔‘‘ ﴿وَرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ۝۲۶﴾ ’’اور تمہیں طیبات کا رزق دیا تاکہ تم شکر کرو۔‘‘

یہ بات سمجھ لیجیے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے غلبے سے بچانے کے لیے ایک شرطِ لازم یہ تھی کہ مسلمان ایک جماعت کے جھنڈے تلے جمع ہوں‘ ورنہ ان کی کوئی سیاسی حیثیت نہیں۔ کانگریس جیسی طاقت وَر اور منظّم جماعت‘ اس کا سرمایہ‘ اس کے پیچھے تعلیم یافتہ لوگ‘ پھر انگریز کی حمایت! ان حالات میں پاکستان کا حصول ممکن نہ تھا جب تک کہ مسلمان یک جان نہ ہو جاتے اور ان کی پوری قوت مسلم لیگ کے جھنڈے تلے نہ آ جاتی! تحریک پاکستان کا اصل محرک اگرچہ یہی تھا کہ ہم ہندوؤں کے ثقافتی‘ مذہبی‘ لسانی‘ معاشی دباؤ سے بچ جائیں لیکن پھر بھی مسلمانوں کو یکجا کرنے کے لیے یہ نعرہ لگا: ’’پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ‘‘۔ یہ وہی بات ہے جو ابھی بیان ہوئی کہ حضورﷺ کا قرض ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم ایسا نہ کر دیں۔

یہی بات علاّمہ اقبال نے ۱۹۳۰ء کے خطبے میں کہی تھی کہ ’’مجھے یہ یقین ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو گی۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ عرب دورِ ملوکیت میں اسلام کی تعلیمات پر جو پردے پڑ گئے ہیں انہیں ہٹا کر دنیا کو اسلام کا اصل چہرہ دکھا سکیں‘‘۔ ہندوستان نے تو مغلوں‘ خلجیوں‘ افغانوں‘ لودھیوں کی حکومتیں دیکھی ہیں‘ خلافتِ راشدہ تو نہیں دیکھی۔ ہم چاہتے تھے کہ پاکستان میں خلافتِ راشدہ کا نظام قائم ہو۔ قائداعظم نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم پاکستان اس لیے چاہتے ہیں کہ اسلام کے اصولِ حریت واخوت ومساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔ پھر نہایت خلوص کے ساتھ دعائیں بھی مانگی گئی تھیں۔ میری عمر کے افراد کو بخوبی یاد ہو گا کہ ہم نے نعرے لگائے‘ گڑگڑا کر دعائیں مانگیں کہ اے اللہ! تُو ہمیں یہ ملک دے دے تاکہ ہم تیرے دین کا بول بالا کریں۔

بدعہدی کی سزا

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے اس عہد کی خلاف ورزی کی ہے۔ عرب اور خلیجی ممالک میں آج ستائیسویں شب ہے۔ خلیج ہی کے دہانے پر پاکستان واقع ہے۔ پاکستان کے قیام کو باون برس ہو گئے‘ اس میں ہم نے کتنا اسلام نافذ کیا ہے؟ کہاں ہیں وہ اصولِ حریت واخوت ومساوات؟ آج بھی وہی سودی نظام‘ جاگیرداری نظام جاری ہے۔ علاّمہ اقبال نے انقلاب کی دُہائی دی تھی کہ ؎

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعل ناب
از جفائے دہ خدایاں کشت دہقاناں خراب
انقلاب‘ انقلاب‘ اے انقلاب!

سرمایہ دار نے مزدور کی رگوں سے سرخ خون کشید کر کے شراب بنائی ہے جسے وہ شام کو بیٹھ کر پیتا ہے جبکہ زمیں دار اور جاگیردار انسانوں کے خون پسینے کی کمائی پر عیش کرتا ہے۔ انقلاب‘ انقلاب! آج باون برس گزر گئے‘ انقلاب تو نہیں آیا۔ گویا ہم نے اللہ سے بدعہدی کی ہے اور ہمیں اس بدعہدی کی سزا مختلف صورتوں میں مل رہی ہے۔

۱) نفاق: اس بدعہدی کی سزا کے طور پر ہم پر نفاق مسلط کر دیا گیا۔ سورۃ التوبہ کی تین آیات میں منافقین کی ایک خاص قسم بیان فرمائی گئی ہے۔ ﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ﴾ ''اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا'' ﴿لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ﴾ ''کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے گا'' غنی کر دے گا ﴿لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ﴿۷۵﴾﴾ ''تو ہم خوب صدقہ و خیرات کریں گے اور بالکل نیک ہو جائیں گے''۔ ﴿فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ﴾ ''لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا'' ﴿بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا﴾ ''تو انہوں نے بخل سے کام لیا اور پیٹھ موڑ لی'' ﴿وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ﴿۷۶﴾﴾ ''اور اعراض کی روش اختیار کی۔'' نتیجہ یہ نکلا: ﴿فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ....﴾ ''تو اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا....''

منافقین کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ﴾ (النساء: ۱۴۵) ''یقیناً منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔'' سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا کہ اگر پورے دین پر کاربند نہیں ہو گے تو قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں جھونک دیے جاؤ گے ﴿وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ﴾۔ منافقین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ﴾ (التوبۃ: ۸۰) ''اے نبی ﷺ! آپ خواہ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں (برابر ہے)۔ اگر آپ ان کے لیے ستّر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔''

اس نفاق کی تین شکلیں ہیں۔ پہلی نفاقِ باہمی یعنی قوم اب ایک نہیں رہی۔ ع ''اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر!'' وہ مختلف عصبیتوں میں تحلیل ہو گئی۔ لسانی عصبیت' علاقائی عصبیت' گروہی عصبیت۔ یہ نفاقِ باہمی کی صورتیں ہیں۔ دوسری شکل نفاقِ عملی یعنی کردار میں نفاق۔ اس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بولے تو جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور

جب امین بنا دیا جائے تو خیانت کرے‘‘۔ یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ’’اگر یہ تینوں نشانیاں موجود ہوں تو وہ کٹر منافق ہے چاہے وہ نماز پڑھتا ہو‘ روزہ رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو‘‘۔ اپنے موجودہ معاشرے کو دیکھ کر تو مَیں یہ سمجھتا ہوں جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی بڑا جھوٹا‘ اتنا ہی بڑا وعدہ خلاف اور اتنا ہی بڑا خائن ہے۔ اب تو اربوں کے معاملے ہوتے ہیں۔ خیانت کوئی سینکڑوں ہزاروں کی نہیں رہی۔ الا ماشاء اللہ!

تیسری اور سب سے بڑی منافقت ہمارے دستور کی ہے۔ قراردادِ مقاصد میں اللہ کی حاکمیت بھی ہے اور اسی میں غیر اسلامی چیزیں بھی ہیں۔ دستور کے اندر اگرچہ یہ دفعہ بھی موجود ہے کہ کوئی قانون سازی کتاب و سُنّت کے منافی نہیں کی جا سکتی لیکن وہ operative نہیں ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل دیکھتی رہے گی اور ہر سال رپورٹیں پیش کرتی رہے گی۔ رپورٹوں کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ ان پر یقینی طور پر عمل درآمد ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ جنرل ضیاء الحق صاحب نے فیڈرل شریعت کورٹ تو بنائی لیکن ساتھ ہی اسے دو ہتھکڑیاں اور دو بیڑیاں بھی پہنا دیں۔ دستورِ پاکستان بھی اس کے دائرے سے خارج‘ جوڈیشل قوانین بھی اس کے دائرے سے خارج‘ فیملی لاز بھی اس کے دائرے سے خارج اور مالی قوانین بھی اس کے دائرے سے دس سال کے لیے خارج۔ نفاذِ اسلام کے معاملے میں اس سے بڑا مکر و فریب اور دھوکا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا اب اس کی سزا ہم بھگت رہے ہیں۔ موجودہ طرز کی مذہبی دہشت گردی کون لوگ کر رہے ہیں؟ چاہے وہ بیرونی دشمنوں کے آلہ کار ہوں مگر باہر والا خود آ کر تو نہیں کر رہا‘ کر تو یہاں کے لوگ ہی رہے ہیں۔ وہ ’’را‘‘ کے ایجنٹ ہوں‘ موساد کے ہوں یا کوئی بھی ہوں‘ اگر ہمارے ہاں یہ مذہبی تلخی نہ ہو تو انہیں یہ cover کیسے مل جائے گا! سورۃ الانعام کی آیت ۶۵ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تین قسم کے عذاب گنوائے ہیں:

﴿قُلۡ هُوَ الۡقَادِرُ عَلٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَ عَلَيۡكُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ
اَرۡجُلِكُمۡ اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا وَّيُذِيۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ ؕ﴾

''کہہ دیجیے (اے نبیﷺ) کہ اللہ اس پر قادر ہے' کوئی عذاب تمہارے سروں کے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے (زمین پھٹ جائے' زلزلہ آ جائے) یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دے اور ایک دوسرے کی طاقت کا مزا چکھائے۔''

یہ تیسرے درجے کا بدترین عذاب ہے جس کا آج ہم سب شکار ہیں۔

۲) معاشی بدحالی: مزید برآں یہ بھی خدائی عذاب کا مظہر ہے کہ معاشی اعتبار سے ملک تباہ ہو چکا ہے۔ کوئی حکومت خواہ کسی کی بھی ہو' وہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے کسی حکم کو ماننے سے انکار کر ہی نہیں سکتی۔ کسی ایک کی مدد آنے میں دیر ہو جائے تو حکومت کی جان پر بن جاتی ہے۔ ہم بالکل دیوالیہ ہو گئے ہیں۔ جب تک ہم ان کی پوری پالیسی کو فالو کرتے رہیں گے' وہ قسط دیتے رہیں گے۔ گویا ہیروئن کی dose ہمیں ملتی رہے گی۔ یہ اور بات ہے کہ جتنی dose ہمیں مل رہی ہے' اس سے ہماری معیشت کا بیڑا مزید غرق ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ادھر سے ایک نئی دجالی لہر بھی شروع ہو چکی ہے جس کی خبر احادیث میں دی گئی تھی۔ دجّال کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ایک سال یا چند مہینے میں پوری دنیا میں پھر جائے گا۔ رزق کے خزانوں پر اس کا اتنا قبضہ ہو جائے گا کہ جو کفر کرے گا' صرف اُسی کو دے گا' باقی کسی کو نہیں۔ سٹاک ایکسچینج میں مندی اور کرنسی کی قدر میں کمی اسی معاشی بدحالی کے آثار ہیں۔ اسے مشرقِ بعید سے پاکستان تک پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی! اگر روس جو خلا میں سب سے پہلے پہنچا تھا' وہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ڈبل روٹی نہیں مل رہی تھی' تو ہم کس شمار میں ہیں۔ مَیں نے روس کی ایک بوڑھی عورت کا فوٹو دیکھا تھا کہ شدید ترین سردی میں اپنا سویٹر ایک مچھلی لینے کے لیے دے رہی ہے۔

ہمارا جو حال ہو گا' اسے سورۂ سبا کی آیت کی روشنی میں اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ فِیۡ مَسۡکَنِہِمۡ اٰیَۃٌ ۚ﴾ ''قومِ سبا کے لیے اُن کے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی'' ﴿جَنَّتٰنِ عَنۡ یَّمِیۡنٍ وَّشِمَالٍ ۬ؕ﴾ ''دو باغات تھے دائیں اور بائیں طرف''۔ ہم نے ان کو دو وسیع و عریض جنتیں دی تھیں۔ پاکستان بھی دو جنتوں پر مشتمل تھا: مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان۔ ﴿كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّکُمۡ وَاشۡکُرُوۡا لَہٗ ؕ

بَلۡدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّ رَبٌّ غَفُوۡرٌ ﴿۱۵﴾﴾ ’’کھاؤ اپنے ربّ کے رزق میں سے اور اُس کا شکر بجا لاؤ۔ ملک ہے عمدہ و پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا۔‘‘ پاکستان بننے کے بعد یہاں خوش حالی تھی۔ پاکستان سے جیسے ہی کوئی شخص ہندوستان میں داخل ہوتا تھا تو کہتا تھا کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم ایک ترقی یافتہ ملک سے کسی دقیانوسی ملک میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس کے برعکس وہاں سے جو پاکستان میں آتا تھا وہ سمجھتا تھا کہ ہم کسی مغربی ملک میں آ گئے ہیں۔ ﴿فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ سَیۡلَ الۡعَرِمِ وَ بَدَّلۡنٰہُمۡ بِجَنَّتَیۡہِمۡ جَنَّتَیۡنِ ذَوَاتَیۡ اُکُلٍ خَمۡطٍ وَّ اَثۡلٍ وَّ شَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِیۡلٍ ﴿۱۶﴾﴾ ’’مگر انہوں نے اعراض کیا‘ تو ہم نے اُن پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا اور ان کے دو باغوں (کو برباد کر کے ان) کی جگہ دو اور باغ انہیں دیے جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں۔‘‘ ﴿ذٰلِکَ جَزَیۡنٰہُمۡ بِمَا کَفَرُوۡا ؕ﴾ ’’یہ بدلہ تھا جو ہم نے ان کو دیا اُس ناشکری کا جو انہوں نے کی تھی‘‘۔ ﴿وَ ہَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡکَفُوۡرَ ﴿۱۷﴾﴾ ’’اور ایسا بدلہ ہم اُن کے سوا کسی اور کو نہیں دیتے جو انتہائی ناشکرے ہوں۔‘‘

۳) **ملکی سالمیت کو خطرہ**: اس سے آگے یہ کہ ملک کے حصے بخرے ہونے کا شدید اندیشہ اب پھر اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ عدلیہ کے بحران میں چیف جسٹس بھی سندھی اور الیکشن کمیشن کا چیئرمین بھی سندھی۔ اب صدر بھی سندھی‘ وزیر اعظم بھی سندھی۔ کوئی چمک ہے یا کوئی دمک ہے یا کوئی طاقت ہے‘ کوئی پشت پناہی ہے‘ کوئی بہت بڑی شے یہ ساری چیزیں ہضم کروا رہی ہے‘ ورنہ اس ملک میں یہ چیزیں اتنی آسانی سے ہضم نہیں ہوتی تھیں۔ بڑے بڑے لیڈر کہہ رہے ہیں کہ کوئی ایجنڈا ہے جس کو پورا کرنے کے لیے یہ سارا کام ہو رہا ہے۔ مَیں نے حالیہ اجتماعِ جمعہ میں کہا ہے کہ اب تو ’’جناح پور‘‘ کے لیے بھی آثار نظر آ رہے ہیں۔ قومِ سبا کے لیے قرآن مجید میں آخری الفاظ یہ آئے ہیں: ﴿فَجَعَلۡنٰہُمۡ اَحَادِیۡثَ وَ مَزَّقۡنٰہُمۡ کُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ﴾ ’’آخرکار ہم نے انہیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور انہیں بالکل تتر بتر کر ڈالا۔‘‘ ہم نے انہیں بس کہانیاں بنا دیا کہ کبھی ایک قوم ہوتی تھی‘ اس کی بڑی عظمت تھی‘ بڑا طنطنہ اور دبدبہ تھا‘ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ختم کر دیا۔

اس (بیسویں) صدی میں دو عظیم مملکتیں نسیاً منسیاً ہوگئی ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد عظیم سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوا۔ پھر روس کی ریاست مختلف ملکوں میں تقسیم ہوگئی۔ اب طالب علم ڈھونڈا کریں گے کہ کہاں ہوتا تھا وہ USSR! زمین وہیں رہتی ہے‘ اس کی شناخت اور پہچان بدل جاتی ہے۔ یہ امر توجہ طلب ہے کہ اب عالمی سیاست کے حالات کس رخ پر جا رہے ہیں۔ بے نظیر بھٹو اپوزیشن میں ہے اور زخم خوردہ بھی ہے لیکن جو باتیں وہ سیاسی انداز کی کرتی ہے‘ وہ قابلِ غور ہیں۔ اس کی تائید میں دوسرے سیاسی لوگ‘ جیسا کہ قاضی حسین احمد صاحب‘ بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ سب کچھ کسی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے ہو رہا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ پاکستان کو پوری طرح بھارت کے تابع کر کے اس کی علیحدہ حیثیت ختم کر دی جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقے میں اب بھارت ہی ایسا ملک رہ گیا ہے کہ جس کو وہ چین کے خلاف اُبھار سکتا ہے۔ امریکہ کے لیے ’’نیو ورلڈ آرڈر‘‘ میں چین ایک بہت بڑے کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ اسی تناظر میں اب بھارت میں ’’بی جے پی‘‘ اُبھر کر سامنے آ رہی ہے۔ اس کا دوٹوک اعلانیہ موقف اور اوّلین ہدف یہ ہے کہ ’’ہندوستان‘‘ کی تقسیم (partition) کو کالعدم قرار دیا جائے۔ اس وقت ان کی گاؤ ماتا کے ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں۔ ان کے ہاں مذہبیت اور ہے کیا! ان کا کوئی نظام نہیں‘ کوئی قانون نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کی روایات ہیں‘ تہذیب ہے۔ تقسیمِ ہند کو وہ قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ اب اپنے ہدف کے لیے فضا ہموار ہو رہی ہے۔

تصویر کا روشن رُخ

یہ تو مَیں نے قرآن اور سُنّت کے مختلف حوالوں سے اس وقت پاکستان کی خصوصی حیثیت بیان کی ہے۔ اسی معاملے کو چند اور پہلوؤں سے بھی دیکھ لیجیے۔ تصویر کا دوسرا اور روشن رُخ یہ ہے کہ چار سو سال کی تجدیدی مساعی ہماری پشت پر ہے۔ پہلے ایک ہزار سال تک سارے مجددینِ اُمّت عالمِ عرب میں پیدا ہوئے۔ جبکہ گیارہویں سے چودھویں صدی تک تمام مجدّدینِ اُمّت ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ مجدد الف ثانی (دوسرے ہزار سالہ مجدد) شیخ احمد سرہندی‘ بارہویں صدی کے مجددِ اعظم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی‘

تیرہویں صدی کے مجدّدِ اعظم سیّد احمد بریلوی‘ چودھویں صدی کے مجدّدِ اعظم شیخ الہند مولانا محمود حسن ﷫ کے علاوہ عظیم شخصیات علّامہ اقبال‘ مولانا مودودی اور مولانا الیاس ﷭ کے برابر کی شخصیات پوری دنیا میں نہیں ہیں۔ یہ سب کچھ ایک اعتبار سے ہمارے کندھوں پر ماضی کا ایک قرض ہے‘ اَسلاف کی طرف سے ایک ذمہ داری ہے۔ ایران کے ڈاکٹر علی شریعتی اور الجزائر کے مالک بن نبی نے اپنی کتابوں میں واضح طور پر لکھا ہے:

"Intellectual & Spiritual centre of gravity of the world of Islam has been shifted to South Asia."

ایک زمانے میں علم کا مرکز بغداد ہوتا تھا۔ پھر یہ اعزاز ہسپانیہ کو حاصل ہوا۔ اس کے بعد علم کا مرکز شمالی افریقہ بنا‘ جہاں ابن خلدون جیسی شخصیات اُبھری ہیں۔ اب یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام کا علمی اور روحانی مرکز جنوبی ایشیا ہے۔

پھر یہ کہ بھارتی مسلمانوں نے پاکستان بنانے کے لیے ایک طرح سے اپنا فرضِ کفایہ ادا کیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ جس علاقے میں وہ رہ رہے ہیں‘ وہاں تو پاکستان نہیں بنے گا۔ پھر بھی انہوں نے کس لیے تحریک پاکستان میں حصّہ لیا؟ صرف اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے! اس حوالے سے اُن کی ذمہ داری کا بوجھ بھی ہمارے کندھوں پر ہے۔ وہاں پر وہ نہایت مشکلات جھیل رہے ہیں۔ معاشی طور پر پست ہیں۔ انہیں ملازمتیں نہیں ملتیں۔ تعلیم گاہوں میں ان کو داخلے نہیں ملتے۔ ان کی زبان ختم کردی گئی ہے۔ اب تو دو نسلیں بیت گئیں۔ یہ سب کچھ انہوں نے اس لیے برداشت کیا کہ (بقولِ فیض) ؎

جو ہم پہ گزری‘ سو گزری مگر شبِ ہجراں
ہمارے اشک تری عاقبت سنوار چلے!

انہیں یہ نعرے سننے پڑتے ہیں ’’مسلمان کے دو استھان: پاکستان یا قبرستان!‘‘ نکلو یہاں سے۔ تم یہاں پر ہو کیوں! بال ٹھاکرے بہت کچھ کہتا رہتا ہے‘ وشوا ہندو پریشد کے لیڈر بہت کچھ کہتے رہتے ہیں۔ بی جے پی والے اپنے بیانات کے اندر وقتی طور پر کچھ mild ہوگئے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانانِ بھارت کو ذرا اطمینان دلا کر پہلے اطراف کے دونوں مسلمان ممالک کے ساتھ نمٹ لیں۔ حسینہ واجد کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد بنگلہ دیش تو

پوری طرح بھارت کے زیر اثر آ گیا ہے۔ وہاں ''را'' کا جال بچھا ہوا ہے۔ مَیں ابھی وہاں سے ہو کر آیا ہوں۔ خوف کی یہ کیفیت ہے کہ کچھ بتاتے ہوئے ساتھ یہ بھی درخواست کرتے ہیں کہ کہیں میرا نام نہ بتا دیجیے گا۔ دنیا کو یہ دکھایا جا رہا ہے کہ ہم نے فرخا بند کا معاملہ طے کر لیا ہے' لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ وہاں پانی ہے ہی نہیں۔ یہ وہ بنگال ہی نہیں جو مَیں نے ۱۹۶۸ء میں دیکھا تھا۔ اُس وقت وہاں ہر طرف سرسبزی اور شادابی تھی' ذرائع آب کی فراوانی تھی۔ اب وہاں ندی نالے اور دریا سوکھے پڑے ہیں۔

پاکستان کی خصوصی اہمیت

ایک اس پہلو پر بھی مَیں توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی کچھ پیشین گوئیاں ہیں جن میں اس خطے کے کردار کا بھی ذکر ہے۔ ایک پیشین گوئی قرآن سے بھی ثابت ہے کہ تین مرتبہ فرمایا کہ اپنے رسول ﷺ کو ہم نے دین کے غلبے کے لیے بھیجا ہے اور پانچ مرتبہ فرمایا کہ تمام انسانوں کے لیے بھیجا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد پورا ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ پورے عالَمِ انسانی پر دین قائم نہ ہو جائے۔ بقولِ اقبال ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں' کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

حضور ﷺ نے خبر دی ہے کہ دنیا کے خاتمے سے پہلے کُل روئے ارضی پر نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گا اور اس عمل میں خراسان کا علاقہ اور عرب کے مشرقی ممالک اہم کردار ادا کریں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس علاقے میں افغانستان ''خراسان'' پر مشتمل ہے جبکہ اس کا ایک حصّہ پاکستان میں بھی شامل ہے۔ یہاں سے فوجیں جائیں گی اور یروشلم جو ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہے' اسے بازیاب کرائیں گی۔ عربوں میں تو دَم نہیں ہے۔ ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں نے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر کے عربوں ہی سے یروشلم چھینا تھا۔ اس کے بعد ۸۸ برس تک وہ ان کے قبضے میں رہا ہے' عرب واپس نہیں لے سکے۔ آخر کار کردخون صلاح الدین ایوبی نے اسے فتح کیا۔ اب پھر انہوں نے عربوں سے چھینا ہے۔

عرب قوم کو ان کی عیاشیوں اور دولت کی فراوانی نے کھوکھلا کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ خراسان کی طرف سے سیاہ جھنڈے آئیں گے‘ انہیں کوئی روک نہیں سکے گا جب تک کہ ایلیا میں جا کر نصب نہ ہو جائیں۔ یوں اس میں پاکستان کا بھی ایک کردار بنتا ہے ؎

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے‘ میرا وطن وہی ہے!

مَیں نے ابتدا میں تین پہلوؤں سے ایک مسلمان کے ماورائے زمان ومکاں فرائض بیان کیے ہیں‘ یعنی اللہ کے حقوق‘ رسول اللہ ﷺ کے حقوق اور انسانوں کے حقوق۔ اس کے بعد تین ہی اعتبارات سے پاکستان کی خصوصی اہمیت کے حوالے سے بات کی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس ملک کے genesis کی بنیاد کیا تھی‘ قرآن میں اس کا بھی ذکر موجود ہے۔ آج ہم جس صورتِ حال سے دوچار ہیں‘ منافقت کی تین صورتوں کے حوالے سے قرآن میں اس کا بھی ذکر ہے۔ جو معاشی بدحالی ہمارے ہاں آ چکی ہے‘ سورۂ سبا میں اس کا بھی ذکر ہے۔ پھر جو اندیشے ہیں: ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ﴾ کہ بس کہانیاں رہ جائیں گی کبھی ایک ملک بنا تھا‘ قائم ہوا تھا‘ اس کا اشارہ بھی موجود ہے۔ گویا پاکستان الفاظِ قرآنی ’’فِيْهِ ذِكْرُكُمْ‘‘ (الانبیاء:۱۰) کا مصداقِ کامل ہے۔ اب بین الاقوامی ادارے تو کہتے ہیں کہ یہ سب بڑی جلدی ہو جائے گا۔ پچھلے دنوں امریکی محکمہ خارجہ کی رپورٹ شائع ہوئی تھی کہ اتنے سالوں بعد پاکستان نام کا کوئی ملک دنیا میں نہیں ہو گا۔

چند مثبت پہلو

اب مَیں چاہتا ہوں کہ کچھ مثبت پہلوؤں کی نشان دہی کروں۔ آیا ہمارے پاس کچھ assets بھی ہیں یا نہیں؟

پہلی بات یہ ہے کہ چاہے حالات کیسے ہی ہوں‘ پاکستان کے دستور میں اتنا اسلام آ گیا ہے کہ اگرچہ اُس کی تکمیل بہت مشکل ہے لیکن اتنے حصے کو بھی دستور سے نکال دینا کسی مائی کے لال کے لیے ممکن نہیں ہے۔ قراردادِ مقاصد میں اللہ کی حاکمیت کا اقرار ہے۔ گویا نظامِ خلافت اصولاً دستوری طور پر پاکستان میں نافذ ہو چکا ہے۔ اس کی مثال

ایسے ہی ہے کہ چاہے مَیں اسلام پر عمل نہیں کر رہا لیکن بہرحال مسلمان ہوں' اسی طرح سے پاکستان ایک مسلمان ملک بن گیا جب اُس نے کہا کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے اور ہم اپنے اختیارات ایک امانت سمجھ کر حاکمِ مطلق کی عائد کردہ حدود کے اندر استعمال کریں گے۔ یہ گویا دستوری سطح پر ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ '' اور ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ '' کا اقرار ہے۔

دوسرا ایک بہت بڑا asset یہ ہے کہ بہت سی تحریکوں اور علامہ اقبال' مولانا مودودی جیسے مفکرین اور مصنّفین کی مساعی سے پاکستان میں ہر عمر کے افراد کی ایک بڑی تعداد دین کے جامع تصوّر سے روشناس ہو چکی ہے۔ انہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام دین ہے' مذہب نہیں۔ یہ انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ وہ دور گزر گیا جب سمجھا جاتا تھا کہ صرف نماز' روزہ ہی دین ہے۔ عبادت کا مطلب صرف نماز' روزہ نہیں بلکہ پوری زندگی میں اللہ کی بندگی ہے۔ علامہ اقبال نے یہ بھی تصوّر دیا تھا کہ ؎

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا!

اور ؎

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری' ہوس کی وزیری!

اور ع ''جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی!''

علامہ اقبال کا پیغام دین و دنیا کی وحدت تھا اور وہ دنیا کو دین کے تابع کرنا چاہتے ہیں۔ اب بہت سے لوگ یہ اُمنگ رکھتے ہیں۔ ان میں خواہش بھی ہے' جذبہ بھی ہے۔ افسوس صرف یہ ہے کہ ایک تو اپنی سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے بٹے ہوئے ہیں۔ اصل مقصد کو نظر انداز کر کے اپنی پارٹی اور شخصیت کو اُبھارنے کی فکر ہے۔ ایک خلط مبحث تھا کہ یہاں دین کیسے لائیں! غلطی سے یہ سمجھا گیا کہ الیکشن میں حصہ لو۔ ووٹ مل جائیں گے تو اسلام نافذ کر دیں گے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس نقطہ نظر میں اب بہت حد تک کمی ہو گئی ہے۔ تقریباً تمام مذہبی جماعتیں یہ سمجھ چکی ہیں کہ الیکشن کے ذریعے سے یہاں اسلام نہیں آ سکتا۔

تیسرے یہ کہ الحمدللہ ایک عظیم قرآن تحریک اس ملک میں قائم ہوئی ہے اور چلی ہے۔ کیا کسی نے کبھی سنا تھا کہ لوگ نمازِ تراویح کے لیے چھ چھ گھنٹے کسی مسجد میں موجود رہے ہیں؟ پورے قرآن کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ سات سات سو آدمی جمع ہیں اور کوئی سیاسی نعرہ نہیں ' کوئی اختلافی بات نہیں۔ ساری توجّہ بس اسی پر ہے کہ قرآن کو سمجھا جائے۔

ہندوستان میں یہ تحریک شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے شروع کی تھی۔ انہوں نے ''الفوز الکبیر'' لکھی۔ فارسی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ ان کے دو بیٹوں نے اردو میں ترجمہ کیا۔ اس سے پہلے لوگ قرآن کا ترجمہ کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ آج بھی بعض لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ ایک بہت بڑی جماعت یہ کہتی ہے کہ بس قرآن پڑھو اور ثواب حاصل کرو۔ کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو کسی عالم دین سے پوچھ لو۔ ترجمہ پڑھنے سے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جب قرآن کا فارسی میں ترجمہ کیا تو انہیں قتل کرنے کی سازش تیار کی گئی۔ اس مقصد کے لیے سرحد کے علاقے سے پٹھان بلا لیے گئے تھے۔ شاہ صاحبؒ دہلی کے چاندنی چوک کے ایک سرے پر واقع مسجد فتح پور میں درسِ حدیث دیتے تھے۔ عصر کے بعد درس کے اختتام پر وہ مسجد سے نکل رہے تھے تو باہر قتل کرنے کے لیے افراد کھڑے ہوئے تھے۔ اُس وقت اُن کے دل پر اللہ نے ایسی ہیبت ڈال دی کہ وہ حملہ نہیں کر سکے۔ بہر حال شاہ صاحبؒ نے قرآن کو ایک کھلی کتاب کے طور پر متعارف کرایا کہ اسے پڑھو اور سمجھو!

اگر یہ ملک نہ بنتا تو شاید ایسی تحریک یہاں نظر نہ آسکتی۔ الحمدللہ ' ہمیں مواقع ملے ہیں۔ اللہ نے سہولتیں دی ہیں۔ کئی مہینے تک ہر ہفتے ''الہدیٰ'' کا پروگرام پورے ملک میں نیشنل hook up (قومی نشریاتی رابطہ) پر ایک ہی وقت میں ٹیلی کاسٹ ہوا ہے۔ اسلام کا' قرآن مجید کا ایک غلغلہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس ملک میں مغربیت کے پرستاروں کو فکر لاحق ہوگئی کہ یہ طوفان تو ہمارے لیے مصیبت بن جائے گا۔ پھر انہوں نے جو کچھ بھی کیا' وہ سب کو معلوم ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میری دعوت آڈیوز میں' ویڈیوز میں پھیل رہی ہے۔ دنیا میں جہاں جہاں اردو پڑھنے والے موجود ہیں' وہ ہماری تحریک سے واقف

ہیں۔اب تین چار سال سے امریکہ جاتا ہوں تو وہاں انگریزی میں لیکچر دیتا ہوں۔الحمدللہ' وہاں ہمارا پورا پیغام انگریزی میں جا چکا ہے۔امریکہ میں موجود عربوں کو بھی اور وہاں کی افریقی نژاد آبادی کو بھی۔پھر وہاں سے ہو کر مختلف مقامات پر یہ پیغام جا چکا ہے۔امریکہ تو ایک مرکز ہے'اس وقت وہاں سے جہاں جہاں وہ چیز پہنچ رہی ہے تو اس کا کوئی نتیجہ ان شاء اللہ نکلے گا۔اس کا منبع اللہ نے اس ملک کو بنایا ہے۔

یہ وہ assets ہیں جو ہمارے پاس ہیں۔ہمیں ان کے بارے میں شعور ہونا چاہیے۔اس کے بعد معاملہ یہ ہے کہ عملی اقدامات کیا ہونے چاہئیں!

پس چہ باید کرد

پہلے قدم کے طور پر اس شعور کو اُجاگر کیا جائے کہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدّ وجُہد فرضِ عین ہے۔اس حوالے سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔اسے مَیں نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔اگر دین قائم نہیں ہے تو ہماری عبادت جزوی ہے۔زندگی کے ایک حصے میں ہم اللہ کی عبادت کر رہے ہیں جبکہ ہماری زندگی کے دوسرے پہلو اللہ کی بغاوت پر مشتمل ہیں۔چنانچہ یہ کام فرضِ عین کے درجے میں ہے اور اس کے لیے عقلاً اور نقلاً لازم ہے کہ آدمی کسی جماعت میں شامل ہو۔کوئی شخص اکیلا یہ کام نہیں کر سکتا۔انقلاب لانا یعنی نظام بدل دینا کسی ایک آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے۔اس کے لیے ایک پارٹی چاہیے' حزب اللہ چاہیے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کورا جواب دے دیا تھا تو معاملہ وہیں کا وہیں رک گیا۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں (رضی اللہ عنہم) نے ایک جماعت کی شکل میں' جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ گرا وہاں اپنے خون کی ندیاں بہا دیں تو اسلام قائم ہو گیا۔

اس حوالے سے احادیث بھی موجود ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ((عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ))(رواہ ابوداؤد والترمذی) ''تم پر جماعت کا التزام ضروری ہے''۔مزید فرمایا:((يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ)) (رواہ الترمذی) ''اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے''۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اِنَّهٗ لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِجَمَاعَةٍ وَلَا جَمَاعَةَ اِلَّا بِاِمَارَةٍ (رواہ الدارمی) ''یقیناً جماعت کے بغیر اسلام نہیں ہے' اور امارت کے بغیر جماعت

نہیں ہے''۔ اور حضرت حارث الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو تو ہم نے بہت عام کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اِنِّیْ آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ، اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ)) ''اے مسلمانو! مَیں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے کر جا رہا ہوں' مجھے اللہ نے ان کا حکم دیا ہے'' ((بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْھِجْرَةِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)) (رواہ الترمذی وابوداؤد) ''جماعت کا' سننے اور ماننے کا' ہجرت کا اور اللہ کے راستے میں جہاد کا''۔ یعنی جماعتی زندگی ہو اور جماعت بھی سمع وطاعت والی' جو مضبوط نظم وضبط کی حامل ہو۔ یہ جماعت ہجرت اور جہاد کرے گی۔ اس جماعت کے خدوخال ہم نے قرآن مجید میں پڑھے ہیں۔ سورۃ المائدۃ میں حزب اللہ کا یہ وصف بیان ہوا: ﴿فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''یقیناً اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔'' سورۃ المجادلۃ میں ''حزب اللہ'' کے ساتھ ''حزب الشیطان'' کا بھی ذکر ہوا۔

اس حوالے سے مَیں صرف اپنی جماعت کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ کوئی بھی جماعت جو آپ کے فہم کے مطابق دین کے لیے صحیح کام کر رہی ہو' اس میں شامل ہوں۔ کوئی شخص بھی اس سے محروم نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَةً)) (صحیح البخاری) ''پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت''۔ میرا کوئی اُمتی بھی تبلیغ قرآن کے فریضے سے محروم نہ رہ جائے' ورنہ میرا اُمتی کیسے ہوا! باقی جو لوگ اپنی زندگی وقف کردیں' ان کے لیے فرمایا: ((خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ)) (صحیح البخاری) ''تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں''۔ اس مقصد کے لیے اپنی زندگی لگا دیں۔ چنانچہ کوئی بھی جماعت ہو جس پر آپ کا دل ٹھک جائے' اس میں شامل ہو جائیں۔ البتہ اُس میں یہ چار خصائص ہونا ضروری ہیں:

(۱) اس جماعت کو اعلانیہ طور پر یہ واضح کرنا چاہیے کہ اس کا مقصد اقامتِ دین ہے۔ کوئی جزوی بات' کوئی سماجی اصلاح نہیں۔ یہ سارے کام اچھے ہوتے ہیں' خدمتِ خلق بھی اچھی بات ہے' لیکن ہر شے کا اپنا مقام ہوتا ہے۔ جماعت وہ ہونی چاہیے جس کا مقصود اللہ کے دین کا غلبہ ہو۔ اسے اقامتِ دین کہہ لیں' نظامِ

خلافت کا قیام کہہ لیں‘ حکومت الٰہیہ کا قیام کہہ لیں۔ ان میں سے کوئی بھی اصطلاح استعمال کریں۔

(۲) اس جماعت کا نظم وضبط کڑا ہونا چاہیے۔ وہ محض افراد کا ایک ہجوم نہ ہو‘ بلکہ ہر طرح سے منظّم ہو۔ ایک امیر سے اطاعت کے عہد میں بندھی ہو۔

(۳) اسے اپنا طریقہ کار صاف طور پر اور قطعیت کے ساتھ بیان کرنا چاہیے کہ ہم کس طرح سے یہ کام کرنا چاہتے ہیں! ایسے ہی مبہم سے نعرے لگانا اور لوگوں کو صرف وقتی جوش دلانے کا معاملہ نہیں ہونا چاہیے۔ جو طریقہ کار وہ پیش کریں وہ سیرت النبی ﷺ سے ماخوذ ہو‘ اس لیے کہ ایک مسلمان کے لیے نمونہ نبی اکرم ﷺ ہی ہیں۔ اس حوالے سے امام مالکؒ کا قول ہے: لَنْ يُصْلِحَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلُحَ بِهَا اَوَّلُهَا ’’اس اُمّت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر ٹھیک اُسی طریقے پر جس پر پہلے حصّے کی اصلاح ہوئی تھی۔

(۴) جتنا بھی ممکن ہو‘ اُس کی قیادت کو ٹھوک بجا کر دیکھ لیا جائے۔ کسی کے دل میں تو نہیں اُترا جا سکتا لیکن دیکھ لینا چاہیے کہ ان کے قول اور فعل میں تضاد تو نہیں ہے۔ ان کا خانگی نظام کیسا ہے؟ آیا گھر میں دین نافذ ہے یا نہیں؟ ان کی معاش شریعت کے دائرے میں ہے یا نہیں؟

ان چار پہلوؤں کی تحقیق پر جو بھی وقت لگے گا وہ جہاد میں شمار ہوگا‘ بشرطیکہ اسے سنجیدگی کے ساتھ کیا جائے۔ اسے اپنی ذاتی ضرورت سمجھ کر اہمیت دی جائے اور اپنے فرض کے طور پر لیا جائے۔ موت کسی بھی وقت آسکتی ہے‘ میرا کوئی بھی پل جماعت کے بغیر نہیں گزرنا چاہیے۔ اقامتِ دین کی جدّوجُہد فرضِ عین ہے اور اس کے لیے جماعت شرطِ لازم ہے‘ جیسے کہ نماز کے لیے وضو شرطِ لازم ہے۔ جمعہ کے روز مَیں نے جو عہد لیا ہے‘ اس سے کچھ لوگ پریشان بھی ہو گئے ہیں کہ ہم سے اچانک اتنا بڑا عہد لے لیا گیا۔ اس ضمن میں سمجھ لیجیے کہ اس میں الفاظ یہ ہیں کہ ’’ممکن حد تک مَیں اپنا جان‘ مال اور وقت اس کام میں لگاؤں گا۔‘‘ مَیں نے کوئی حتمی معیار مقرر نہیں کیا ہے۔ ہر شخص ممکن حد تک اس کی کوشش

کرے‘ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ ﴾ (التغابن:۱۶) ’’پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اپنی حدِ امکان تک‘‘۔ البتہ اسے یہ شعور ہو کہ ہمارے ملک کی بقا اور استحکام اسی میں ہے۔ یہ کشتی ڈوبتی ہے تو ہم ڈوبیں گے‘ یہ تیرتی ہے تو ہم منزل پر پہنچیں گے۔

خالص دنیاوی اعتبار سے بھی یہ غور وفکر کا مقام ہے۔ اللہ سے وعدہ خلافی کی کوئی اور سخت سزا نہ مل جائے! مشرقی پاکستان کی علیحدگی ایک بہت بڑی سزا تھی۔ مسلمان قوم کے ترانوے ہزار افراد اُس ہندو کے قیدی بنے جس پر مسلمانوں نے کہیں آٹھ سو برس‘ کہیں ہزار برس حکومت کی۔ بھیڑ بکریوں کی طرح انہیں ٹرکوں میں لاد کر لے گئے‘ جیسے عید پر شہروں میں جانور ذبح ہونے کے لیے لائے جاتے ہیں۔ ہمارا ٹائیگر جرنیل دشمن جرنیل کو اپنا پستول پیش کر رہا ہے۔ گویا ’’یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّہُمۡ صٰغِرُوۡنَ ‘‘ کا نقشہ ہے۔ اندرا گاندھی کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ

We have avenged our thousand-year slavery

اور یہ کہ ہم نے دوقومی نظریے کو خلیج بنگال میں غرق کر دیا ہے۔ اب سونیا گاندھی بھی دوبارہ منظر پر آئی ہے اور اس نے بیان دیا ہے کہ پاکستان میں جس طرح بھارتی فلمیں دیکھی جاتی ہیں اور ان کے گانے سنے جاتے ہیں‘ ہم نے ثقافتی طور پر اسے colonize کر لیا ہے۔ کلچر پر بھی انہوں نے قبضہ کر لیا تو ہمارے پاس پھر رہ کیا گیا ہے! چنانچہ ہر شخص اس کام میں لگے۔ اسے زندگی اور موت کا مسئلہ بنائے۔ اسے اس امر کا ادراک ہو کہ یہ میرے اللہ کا حق ہے مجھ پر‘ میرے رسولؐ کا حق ہے مجھ پر‘ پوری نوعِ انسانی کا حق ہے مجھ پر۔ میرے ملک کا حق ہے‘ میری ۱۴۰۰ برس کی تاریخ کا حق ہے۔ جو بھی خبریں محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے دی ہیں‘ ان سے بھی یہ جذبہ پیدا ہو جانا چاہیے کہ آپ ﷺ کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے تن من دھن لگا دیا جائے۔ ؏ ’’دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی!‘‘

مَیں نے کہا تو یہ ہے کہ آپ کوئی جماعت تلاش کریں لیکن اس کے بعد بھی انسان اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھے۔ مسلسل غور وفکر کرتا رہے۔ ؏ ’’ہے جستجو کہ خوب سے ہے

خوب تر کہاں!'' البتہ آج شروع تو کر دے۔ کسی جماعت میں شریک ہو جائے۔ مَیں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ میرے نزدیک جماعت کی مسنون' منصوص اور ماثور بنیاد بیعت کا نظام ہے' لیکن یہ اگر نہ بھی ہو تو کوئی دستوری جماعت بھی مباح کے درجے میں ہے' بشرطیکہ اس کا ڈسپلن مضبوط ہو اور بلند اخلاقی معیار ہو۔

میرا مشن

مَیں نے ۱۹۶۵ء میں اپنے مشن کا آغاز کیا تھا' اب ۱۹۹۸ء آ گیا ہے۔ ۳۳ سال تو پورے ہو ہی چکے ہیں۔ میرا پہلا کام دعوت رجوع الی القرآن تھا' جو آج تک چل رہا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جب مَیں نے کوئی اگلا قدم اٹھایا تو اس کام کو چھوڑ دیا ہو۔ اپنی عمر کے ۶۶ ویں برس میں مَیں نے جو ۲۵ دن یہاں مشقت جھیلی ہے' اس سے پہلے امریکہ میں بھی آدھا دورۂ ترجمہ قرآن انگریزی میں ریکارڈ کرا چکا ہوں۔ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب مکمل طور پر انگریزی میں ریکارڈ کرا چکا ہوں۔ بیس بیس گھنٹے کے پروگرام ایک ایک گھنٹے کی ٹیپ میں ریکارڈ کرائے ہیں۔ چھ گھنٹے کا پروگرام ایمان کی حقیقت کے بارے میں ہے۔ دو گھنٹے کا جہاد پر' دو گھنٹے کا نفاق پر' دو گھنٹے کا شرک پر اور آٹھ گھنٹے کا پروگرام خلافت کے حوالے سے ہے۔ اگر آج دنیا میں خلافت قائم ہو گی تو اس کا سیاسی' معاشرتی اور معاشی ڈھانچا کیسا ہو گا! یہ ویڈیوز اور آڈیوز میں دستیاب ہے۔

اس دعوت رجوع الی القرآن کے نتائج الحمد للہ بہت اچھے نکلے ہیں۔ انجمنیں قائم ہوئی ہیں۔ لاہور کی مرکزی انجمن' پھر کراچی' ملتان' فیصل آباد' راول پنڈی' پشاور کی انجمنیں۔ قرآن اکیڈمیز وجود میں آئی ہیں۔ پہلے لاہور کی اکیڈمی بنی' پھر کراچی میں۔ اب ملتان میں بھی بن چکی ہے۔ قرآن کانفرنسیں منعقد کی گئی ہیں۔ قرآنی تربیت گاہیں ایک ایک مہینے کی' چالیس چالیس دن کی' سات سات دن کی ہمہ وقت ہوئی ہیں۔ لاہور میں اتوار کو میرا جو عوامی درسِ قرآن ہوتا تھا' اس میں اوسطاً چھ سو آدمی شریک ہوتے تھے۔ دعوت رجوع الی القرآن کا بالواسطہ نتیجہ بھی بہت اچھا نکلا ہے کہ اب بہت سے ادارے قائم ہو گئے ہیں جہاں قرآن مجید کی دعوت دی جا رہی ہے۔ عربی زبان کی تدریس ہو رہی

ہے۔ ۲۶ برس پہلے ۱۹۷۲ء میں ہم نے ''قرآن کانفرنس'' جیسی جو اصطلاحات وضع کی تھیں' الحمدللہ وہ عام ہوگئی ہیں۔ اسی طریقے سے عربی زبان کی تدریس جو وسیع پیمانے پر ہورہی ہے اس کا بھی بالواسطہ طور پر ہمیں پھل ملے گا' اس لیے کہ یہ کاشت ہم نے شروع کی ہے۔ مَیں چاہوں گا کہ جو حضرات بھی جاننا چاہیں کہ کیا کچھ ہوا ہے' کس طور سے ہوا ہے' اس کا صغریٰ کبریٰ کیا ہے' اس کا پس منظر کیا ہے' وہ میری کتاب ''دعوت رجوع الی القرآن کا منظرو پس منظر'' کا مطالعہ کریں۔ اس ضمن میں یہاں پر خواتین کے پروگرام بھی ہورہے ہیں۔ ایک سالہ (رجوع الی القرآن) کورس بھی شروع ہورہا ہے۔ لاہور میں تو یہ مسلسل ہورہا ہے۔ امریکہ سے آ کر لوگ وہاں شریک ہورہے ہیں۔ الحمدللہ! اب امریکہ میں بھی ہماری اکیڈمی شروع ہوجائے گی۔

دوسرا کام جو' الحمدللہ' مَیں نے کیا ہے اللہ کے فضل و کرم سے وہ ایک مختصر لیکن منظم تنظیم بیعت کی بنیاد پر قائم کی ہے۔ ایک مُردہ سُنّت کو زندہ کیا ہے۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن' حدیث' سُنّت' سیرت اور مسلمانوں کی ۱۴۰۰ برس کی تاریخ میں کسی اجتماعیت کی کوئی اور بنیاد ہے ہی نہیں سوائے بیعت کے۔ حضورﷺ نے بیعت لی ہے۔ ایک بڑی طویل حدیث ہے جو بعد میں آپ کو سناؤں گا' ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ تنظیم اسلامی میں شمولیت کی بیعت وہیں سے لی ہے۔ اس پر ایک جماعت مرتّب کی ہے' ڈھانچا بنادیا ہے' نظام العمل بنادیا ہے۔ بیعت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب کسی کو کچھ کہنے کا حق ہی نہیں ہے۔ لاحول ولاقوۃ! حضورﷺ سے بھی لوگ اختلاف کرلیتے تھے۔ غزوۂ بدر میں آپﷺ نے فرمایا کہ کیمپ یہاں لگادو' لگادیا گیا۔ پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ اگر تو یہ وحی سے ہے تو ٹھیک ہے' اگر آپؐ کی ذاتی رائے ہے تو ہم کچھ عرض کریں۔ فرمایا: ہاں کہو۔ کہا کہ ہمارے جنگی تجربے کی رو سے کیمپ وہاں لگنا چاہیے۔ حضورﷺ نے فرمایا: کیمپ اُکھاڑو اور وہاں لگادو۔ قرآن مجید میں حضورﷺ کو حکم ہوا: ﴿وَشَاوِرۡهُمۡ فِي الۡاَمۡرِ﴾ (آل عمران:۱۵۹) ''اور اُن سے مشورہ کرتے رہا کیجیے''۔ چنانچہ مشورہ بھی ہوسکتا ہے' اختلافِ رائے بھی ہوسکتا ہے' ذاتی تنقید بھی ہوسکتی ہے۔ تنظیم اسلامی کا ایک سالانہ اجلاس

ایسا ہوتا ہے جس میں جو رفیق چاہے آئے اور مجھ پر ذاتی تنقید کرے۔ شوریٰ کا نظام اس کے علاوہ ہے جو منتخب افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔

ہم نے بیعت کے اصول پر جماعت بنادی جو صرف پیری مریدی کا دھندا رہ گیا تھا۔ اسی لیے پہلے پہل لوگوں نے اسے استہزائیہ طور پر دیکھا۔ البتہ اب یہ جماعت الحمدللہ باقاعدہ ایک ادارہ ہے۔ اس کا ایک پورا نظام العمل ہے۔ تنظیم کی بنیادی دعوت کو سمجھنے کے لیے چھوٹے چھوٹے دس کتابچے ہیں۔ جس کا بھی ارادہ ہو جائے کہ بات سمجھنی ہے' جہاں اور جماعتوں کو دیکھنا ہے اس کو بھی دیکھنا ہے' تو وہ ان کتابچوں کا مطالعہ کرے۔ ان میں عزمِ تنظیم' تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر' تعارفِ تنظیم' تنظیم کا نظام العمل شامل ہیں۔ پھر میرا ذاتی حساب کتاب کہ مَیں نے دنیا میں کتنی جائیداد بنائی ہے' میرا ذریعہ آمدن کیا ہے' کب شروع کیا تھا' اس کے بعد سے اب کیا صورتِ حال ہے' ایک ایک پیسے کی تفصیل ''حسابِ کم وبیش'' نامی کتاب میں موجود ہے۔ یہ ساری چیزیں ان لوگوں کے لیے ہیں جنہیں یہ شعور حاصل ہو گیا ہو کہ مجھے اللہ کی بندگی کرنی ہے' جس کے لیے یہ کام لازم ہے۔ مجھے حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرض ادا کرنا ہے' جس کے لیے یہ لازم ہے۔ مجھے اس ملک کا حق ادا کرنا ہے' جس کے لیے یہ لازم ہے۔ اگر کسی کو اپنے فرض کا ادراک ہو جائے گا تو وہ تلاش کرے گا' اور جو تلاش کرے گا وہ پائے گا' ان شاء اللہ!

میرا ایک ماضی بھی ہے۔ مَیں جماعت اسلامی میں رہا ہوں تین برس اور اس سے قبل سات برس اسلامی جمعیت طلبہ میں۔ جمعیت کا مَیں آل پاکستان ناظم اعلیٰ بھی رہا ہوں جبکہ مشرقی اور مغربی پاکستان ایک ہی ملک تھے۔ جماعت اسلامی میں ضلع منٹگمری کا امیر رہا ہوں۔ پھر جماعت اسلامی سے مجھے اختلاف ہوا۔ کیوں ہوا تھا' اس پر میری پوری کتاب موجود ہے۔ بدنیتی کا کوئی الزام مَیں نے مولانا مودودی مرحوم پر نہیں لگایا۔ اختلاف اس امر پر ہوا تھا کہ حالات نے ثابت کر دیا کہ جماعت کا انتخابات میں حصّہ لینا ایک سعی لاحاصل تھا۔ ہمیں انقلابی طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے۔ ''تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ'' مَیں نے ۲۵ برس کی عمر میں لکھی تھی اور اُس وقت مَیں جماعت کا رکن تھا۔

ایک طرح سے وہ پارٹی ورکرز کی طرف سے note of dissent تھا۔ مَیں نے اپنی رائے پیش کی‘ لیکن اسے صحیح تناظر میں نہیں دیکھا گیا۔ اس اختلاف کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی صاحب‘ مولانا عبدالغفار حسن صاحب‘ عبدالجبار غازی صاحب‘ حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب‘ شیخ سلطان احمد صاحب اور مولانا افتخار احمد بلخی صاحب جیسے اکابر جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ حادثہ کیوں ہوا‘ اس پر بھی میری ایک کتاب ’’تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گم شدہ باب‘‘ موجود ہے۔ میرے بارے میں بہت پروپیگنڈے کر دیے گئے ہیں‘ جن کی وجہ سے حجابات سے قائم ہو چکے ہیں۔ جنہیں میرے اُس ماضی کو دیکھنا ہو وہ ان کتب کا مطالعہ کریں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

تیسرا کام جس کا الحمدللہ میں اللہ کا اپنے اوپر بڑا فضل وکرم مانتے ہوئے تذکرہ کر رہا ہوں‘ اسے کسی درجے میں بھی خود ستائی سمجھنے کے بجائے ﴿وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ۝۱۱﴾ (الضحیٰ) ’’اور اپنے رب کی نعمت کا بیان کریں!‘‘ کا مصداق گردانیے کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے ہم نے ایک پراسس اخذ کر کے اسے ’’منہجِ انقلابِ نبویؐ‘‘ کی صورت میں واضح کر دیا ہے۔ مَیں آپ سب سے کہوں گا کہ اس کا مطالعہ کیجیے۔ سمجھ میں نہ آئے تو اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیجیے‘ کسی جگہ اختلاف ہو تو مجھ سے آ کر بات کیجیے۔ ’’منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ‘‘ کے نام سے کتاب بھی ہے‘ آڈیوز بھی ہیں‘ ویڈیوز بھی ہیں۔

چوتھے درجے میں ہم نے ۱۹۹۱ء میں ’’تحریکِ خلافت‘‘ شروع کی تھی۔ کراچی میں چار دن ’خالق دینا ہال‘ میں خلافت کے موضوع پر لیکچر دیے۔ اس کے بعد اگرچہ پروگرام تو یہ تھا کہ اسے ایک عوامی موومنٹ کے طور پر چلایا جائے لیکن پھر ہم نے محسوس کیا کہ لوگ ابھی اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ فارم تو پُر کر دیتے ہیں لیکن اس کے بعد انہیں ڈھونڈیے تو ملیں گے نہیں۔ لہٰذا ہم نے اسے ابھی محدود کر دیا ہے کہ جو بیعت نہ کرنا چاہیں وہ معاونِ تحریک خلافت بن جائیں۔ ’’تحریکِ خلافتِ پاکستان‘‘ ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے تاکہ خلافت سے متعلق تمام مواد لوگوں کو پہنچایا جائے اور نظامِ خلافت کے خدوخال کو واضح کیا جائے۔

مَیں نے اپنے ان ''خطباتِ خلافت'' کا فارسی میں ترجمہ کرایا ہے۔ ان کی خاص طور پر ایران اور افغانستان میں اس وقت شدت کے ساتھ ضرورت ہے تاکہ انہیں معلوم ہو۔ وہ حکومت تبدیل تو کر بیٹھے ہیں لیکن اب انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے چلائیں کیسے۔ ایران میں صدر خامنائی اور ان کے راہبر کے درمیان اختلاف ہے' جو سڑکوں پر آ گیا ہے۔ یہ dualism چل نہیں سکتا۔ ایک طرف صدر منتخب ہو کر آ رہا ہے' دوسری طرف مذہبی پیشوا بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایسے میں اسلامی خلافت کا نظام کیسے قائم ہوگا! مَیں پچھلے سال ایران گیا تھا۔ وہاں کے علماء سے گفتگو ہوئی تو وہ confused نظر آئے۔ افغانستان کے ہمارے ساتھیوں کی تو اکثریت جدید تعلیم سے بے بہرہ ہے۔ انہوں نے تو محض اپنے جذبۂ ایمانی اور حالات کے جبر کے تحت یہ سب کچھ کیا ہے۔ طالبان کے پاس اگرچہ ایک بڑا علاقہ ہے لیکن انہیں بھی اب یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اسلامی نظام کیسے چلے گا۔ موجودہ حالات میں ایک جدید ریاست میں خلافت کا نظام کیا ہوگا۔ خلافت اصولی طور پر کیا تھی؟ خلافت حضور ﷺ کے دور میں کیا تھی؟ اور خلافت اب کیا ہوگی؟ ان تمام امور کو دلیل کے ساتھ سمجھنا ہے۔

میری فکر کے منابع

''دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر'' میں مَیں نے اپنی فکر اور سوچ کے چار ذرائع (sources) معیّن کیے ہیں۔ میری فکر پر سب سے پہلا اثر علّامہ اقبال کی ملی شاعری کا ہے' جو سب سے مضبوط بھی ہے۔ اسی میں ان کا فلسفیانہ فکر بھی شامل ہے جو The Reconstruction of Religious Thought in Islam میں بیان ہوا۔ اس کے بعد مولانا مودودیؒ کا تحریکی فکر ہے۔ علّامہ اقبال ایک مفکّر تھے' وہ تحریک چلانے والے آدمی نہیں تھے۔ البتہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اپنے انتقال سے دو سال پہلے ایک کتاب میں لکھا ہے کہ علّامہ اقبال عمر کے آخری حصے میں بیعت کی بنیاد پر ایک ''جمعیت شبان المسلمین'' قائم کرنا چاہتے تھے' جس کا دستور بھی مرتّب ہو گیا تھا۔ اس کتاب کی تلخیص کر کے ہم نے ''علّامہ اقبال کی آخری خواہش'' کے عنوان سے شائع کی

ہے۔اس میں ساری خط وکتابت اور ریکارڈ موجود ہے۔ بہرحال وہ اپنی زندگی میں یہ کام نہیں کر سکے۔ یہ کام مولانا مودودیؒ نے شروع کیا۔تحریک اٹھائی‘ جماعت بنائی۔میرے نزدیک ان سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد بھی تھے۔انہوں نے ۱۹۱۳ء میں ’’حزب اللہ‘‘ بنائی تھی جو بیعت کی بنیاد پر تھی۔اس حوالے سے میرا یہ پس منظر ہے۔

پھر تین اعتبارات سے مَیں اپنا رشتہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے جوڑتا ہوں۔ایک تو یہ کہ شیخ الہندؒ کا ترجمہ قرآن اور اس پر جو حواشی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھے وہ میرے لیے قرآن فہمی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔پھر ’’تفہیم القرآن‘‘ بھی ہے اور ’’تدبرِ قرآن‘‘ بھی۔ ’’تفہیم القرآن‘‘ میں ایک چیز تشنہ ہے کہ دین میں تصوّف کی جو چاشنی ہے‘ باطنی کیفیات ہیں‘ وہ موجود نہیں۔اس کا تحریکی انداز زبردست ہے۔تحریک میں وہاں سے لیتا ہوں لیکن اسلاف کے ساتھ جڑنے کا معاملہ اور دین کے باطنی اور روحانی پہلو میں ان ’’شیخین‘‘ سے لیتا ہوں‘ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے استاد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ۔ پھر یہ کہ ۱۹۲۰ء میں مولانا ابوالکلام کو شیخ الہندؒ نے تجویز کیا تھا کہ اس نوجوان کے ہاتھ پر بیعت کرو اور اسے امام الہند مانو۔مولانا مودودیؒ نے بھی ’’الجمعیت‘‘ سے صحافت کا آغاز کیا تھا جبکہ شیخ الہند اس کے صدر تھے۔ یہ سارے حقائق جو اس وقت نگاہوں سے اوجھل ہیں‘ انہیں مَیں نے اپنی کتاب ’’جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی‘‘ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ سب کچھ مَیں صرف اس لیے بتا رہا ہوں کہ جس کو بھی ان پچیس چھبیس دنوں میں کسی قسم کا کوئی تعلق خاطر قائم ہوا ہو تو وہ سنجیدگی سے سوچے۔ان چیزوں کا مطالعہ کرے۔

تعاون کی صورتیں

اب آخری بات یہ ہے: ﴿مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ﴾ ’’کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟‘‘ اس مدد کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں۔سب سے پہلی تو یہ کہ جو لوگ میری فکر سے متفق ہو گئے‘ جو طریقہ کار ان کے سامنے آیا اس کو بھی انہوں نے مان لیا‘ اگر وہ مجھ سے واقف بھی ہیں اور مجھ پر اعتماد بھی کر سکتے ہیں تو تاخیر نہ کریں۔ بیعت کریں اور تنظیم اسلامی میں شامل ہو جائیں۔ اگر وہ یہ نہیں چاہتے اور بیعت کے معاملے میں فوری طور پر کوئی

اقدام نہیں اُٹھا سکتے تو یہاں کی انجمن خدام القرآن کے رکن بن جائیں۔ ایک سالہ کورس میں وقت لگائیں۔ پیشہ ورانہ تعلیم پر کئی کئی سال لگائے جاتے ہیں۔ دین کے لیے کیا زندگی کا ایک سال بھی نہیں نکال سکتے! اللہ پوچھے گا کہ تم نے انگریزی تو اتنی پڑھ لی کہ انگریزوں کو پڑھا دو جبکہ عربی اتنی بھی نہیں سیکھی کہ میری کتاب کو براہِ راست سمجھ سکو! ایک سالہ کورس انہی لوگوں کے لیے شروع کیا گیا ہے جو پڑھے لکھے جاہل ہیں۔ ایک طرف کسی مضمون میں ڈاکٹریٹ کی ہوئی ہے جبکہ دوسری طرف قرآن کی الف بے معلوم نہیں۔ تیسری صورت ''تحریکِ خلافت'' سے وابستگی ہے۔ اس کی دو شکلیں ہیں۔ جو شخص معاونِ تحریک خلافت ہوگا' وہ تنظیم اسلامی کے تابع ہوگا لیکن بیعت کیے ہوئے نہیں ہوگا۔ جو بیعت کرتا ہے وہ تنظیم اسلامی کا رفیق کہلاتا ہے۔ اگر وہ معاون نہیں بن سکتا تو ہمارے لٹریچر کو پھیلانے کے لیے وسائل میں حصّہ ڈالے۔ کوئی صاحبِ استطاعت اگر ۵۰۰ روپے ماہانہ تحریک خلافت کو دے سکتا ہے تو وہ اس کا رکن بن جائے گا۔ یہ ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے جس کے سارے حساب کتاب انجمنوں کی طرح رکھے جاتے ہیں۔ یہ چار شکلیں ہیں جس کی صورت میں آپ میرے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں' میرے مشن میں شریک ہو سکتے ہیں۔

بیعت کے اجزاء

اب آخر میں مَیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہماری بیعت کے تین جزو ہیں۔ پہلا جزو تین نکات پر مشتمل ہے:

(۱) اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اسی پر تو ہمارے دین کی بنیاد قائم ہے' لیکن بیعت کے وقت اسے تازہ کرنا کہ آج مَیں پھر شعوری طور پر یہ گواہی دے رہا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ تنہا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

(۲) اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ ''مَیں استغفار کرتا ہوں اللہ کی جناب میں اپنے تمام گناہوں سے۔'' اے اللہ! اب تک جو ہوا' اُسے معاف فرما دے۔

(۳) وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ''اور (پروردگار!) مَیں تیری جناب میں توبہ

کرتا ہوں‘ خلوصِ دل کے ساتھ‘‘۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ تَوۡبَۃً نَّصُوۡحًا﴾ —— یہ پہلا حصّہ ہے۔

ہماری بیعت کا دوسرا حصّہ اللہ سے عہد ہے۔ اللہ کے اور بندے کے درمیان بیع و شراء ہے‘ بفحوائے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَ اَمۡوَالَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ﴾ (التوبۃ:۱۱۱) ’’یقیناً اللہ نے اہلِ ایمان سے اُن کے جان و مال جنّت کے بدلے خرید لیے ہیں۔‘‘ جنّت اُس کے پاس ہے وہ آپ کو دے گا اور آپ سے وہ جان اور مال مانگ رہا ہے۔ وہ بیع کیا ہے؟ اِنِّیۡ اُعَاھِدُ اللّٰہَ ’’بے شک مَیں اللہ سے عہد کرتا ہوں‘‘ اَنۡ اَھۡجُرَ کُلَّ مَا یَکۡرَھُہٗ ’’کہ مَیں ہر اُس چیز کو چھوڑ دوں گا جو اُسے پسند نہیں ہے‘‘۔ وَاُجَاھِدُ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ جُھۡدَ اِسۡتِطَاعَتِیۡ ’’اور اپنے مقدور بھر اُس کی راہ میں جہاد کروں گا۔‘‘ وَاُنۡفِقُ مَالِیۡ وَاَبۡذُلَ نَفۡسِیۡ ’’اور اپنا مال بھی خرچ کروں گا‘ جان (اور وقت) بھی صَرف کروں گا‘‘ لِاِقَامَۃِ دِیۡنِہٖ وَاِعۡلَاءِ کَلِمَتِہٖ ’’اُس کے دین کو قائم کرنے کے لیے اور اُس کے کلمے کی سربلندی کے لیے۔‘‘

اب تیسرا حصّہ آیا: وَلِاَجۡلِ ذٰلِکَ ’’اس مقصد کے لیے اُبَایِعُکَ ’’مَیں آپ سے بیعت کرتا ہوں‘ عَلَی السَّمۡعِ وَالطَّاعَۃِ ’’سمع و طاعت پر‘‘ کہ سنوں گا بھی اور مانوں گا بھی۔ یہاں سے وہ حدیث شروع ہو رہی ہے۔ لیکن اس میں ایک لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے: فِی الۡمَعۡرُوۡفِ ۔ یعنی آپ کا ہر حکم سنوں گا اور مانوں گا بشرطیکہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔ حضور ﷺ سے جو بیعت کی گئی تھی اس میں یہ الفاظ نہیں تھے‘ اس لیے کہ آپ ﷺ تو کوئی غلط حکم دے ہی نہیں سکتے تھے۔ آپ ﷺ معصوم تھے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ ہیں: بَایَعۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ عَلَی السَّمۡعِ وَالطَّاعَۃِ ’’ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی کہ ہم آپ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے‘‘۔ ہم نے اس میں بس یہ اضافہ کیا ہے کہ: عَلَی السَّمۡعِ وَالطَّاعَۃِ فِی الۡمَعۡرُوۡفِ یعنی شریعت کے دائرے کے اندر اندر سنیں گے بھی اور مانیں گے بھی۔ فِی الۡعُسۡرِ وَالۡیُسۡرِ ’’چاہے مشکل ہو چاہے آسانی‘‘۔ وَالۡمَنۡشَطِ وَالۡمَکۡرَہِ

’’چاہے ہماری طبیعتیں آمادہ ہوں اور چاہے ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے‘‘۔ وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا ’’اور چاہے ہم پر آپ دوسروں کو ترجیح دے دیں۔‘‘ ہم یہ نہیں کہیں گے کہ ہم آپؐ کے پرانے ساتھی ہیں‘ لیکن آپ نے ایک نووارد کو ہم پر امیر بنا دیا۔ یہ آپ کا صوابدیدی اختیار ہے۔ جس کو چاہیں‘ ہم پر ترجیح دے دیں۔

یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نہایت باریک بینی سے جماعتی زندگی میں فتنے اٹھنے کے تمام دروازے ایک ایک کر کے بند کیے ہیں۔ وَعَلٰی اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ ’’اور جنہیں آپ امیر بنا دیں گے‘ ان سے ہم جھگڑیں گے نہیں‘‘۔ ان سے تعاون کریں گے‘ ان کی اطاعت کریں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ، وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ)) ’’جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی‘‘۔ ((وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ، وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ))(متفق علیہ) ’’جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی‘‘۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آخری بات یہ بیان ہوئی: وَعَلٰی اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَمَا کُنَّا ، لَا نَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ (متفق علیہ) ’’ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے حق کی بات ضرور کہیں گے‘ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی پروا نہیں کریں گے‘‘۔ مشورہ دیں گے‘ ہم اپنی بات دل میں نہیں رکھیں گے۔ اپنی رائے کو روکیں گے نہیں۔ حق بات کہیں گے‘ لیکن اسے کہہ کر پھر ہم فارغ ہوں گے۔ اس کے بعد جو فیصلہ امیر کا ہوگا اس کی اطاعت کریں گے۔

اب آخر میں ان آیات کا ترجمہ سن لیجیے جو مَیں نے ابتدا میں تلاوت کی تھیں۔ درمیانی آیت کا ترجمہ تو کر دیا گیا تھا‘ اس سے پہلے کی دو آیتوں اور اس کے بعد کی دو آیتوں کا ترجمہ اس پکار کے حوالے سے سنیے جو آپ کے سامنے آئی ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ﴾ ’’اے اہلِ ایمان!

لبیک کہو اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی پکار پر جبکہ وہ تمہیں پکاریں جس چیز سے کہ تمہیں زندگی ملے گی''۔ غزوۂ بدر سے پہلے بظاہر موت نظر آ رہی تھی لیکن اس سے تو زندگی مل رہی ہے۔ ﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوۡلُ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِہٖ﴾ ''اور جان لو کہ اللہ بندے اور اُس کے دل کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے۔'' اگر حق کے واضح ہو جانے کے بعد انسان اسے قبول نہ کرے تو ایک وقت آتا ہے کہ بندے اور اُس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہو جاتا ہے ﴿وَاَنَّہٗۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''اور پھر اُسی کی طرف تم جمع کر دیے جاؤ گے۔'' ﴿وَاتَّقُوۡا فِتۡنَۃً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَآصَّۃً ۚ﴾ ''اور ڈرو اُس فتنے سے جو صرف گناہگاروں کو لپیٹ میں نہیں لے گا''۔ گندم کے ساتھ گھن بھی پسے گا۔ ﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۵﴾﴾ ''اور جان لو اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

پھر وہ آیت آئی تھی: ﴿وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ اَنۡتُمۡ قَلِیۡلٌ مُّسۡتَضۡعَفُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ تَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىکُمۡ وَاَیَّدَکُمۡ بِنَصۡرِہٖ وَرَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۶﴾﴾۔ اور اس کے بعد کی دو آیات ہیں: ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَخُوۡنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) سے خیانت مت کرو''۔ جو وعدہ کیا ہے ''سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا'' اُس کو پورا کرو۔ ﴿وَتَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِکُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''اور اپنی امانتوں کے اندر جانتے بوجھتے خیانت نہ کرو''۔ اور جان لیجیے ہمارے پاس یہ پاکستان سلطنت خداداد اس وقت سب سے بڑی امانت ہے! ﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ ۙ﴾ ''اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں'' —— تمہیں بھی ڈر ہے اولاد اور مال کا۔ صرف یہی روکتے ہیں اللہ کے راستے میں جدّوجُہد سے۔ صرف یہی بیڑیاں پڑی ہیں۔ ﴿وَّاَنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۲۸﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے۔''

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے اور اس کے مطابق صحیح معنوں میں اپنی زندگیاں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بارک اللّٰہ لی ولکم فی القرآن العظیم ، ونفعنی وایاکم بالآیات والذّکر الحکیم

خالق کا بندوں سے خوبصورت خطاب
حدیثِ قدسی کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ

(جامع القرآن' قرآن اکیڈمی لاہور میں ۱۶ دسمبر ۲۰۲۲ء کا خطابِ جمعہ)

خطبۂ مسنونہ کے بعد!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ الْغِفَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْمَا یَرْوِیْہِ عَنْ رَّبِّہٖ عَزَّوَجَلَّ : اَنَّہٗ قَالَ :

((یَا عِبَادِیْ! اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ، وَجَعَلْتُہٗ بَیْنَکُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوْا، یَا عِبَادِیْ! کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ ھَدَیْتُہٗ، فَاسْتَھْدُوْنِیْ اَھْدِکُمْ، یَا عِبَادِیْ! کُلُّکُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُہٗ، فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ اُطْعِمْکُمْ، یَا عِبَادِیْ! کُلُّکُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ کَسَوْتُہٗ، فَاسْتَکْسُوْنِیْ اَکْسُکُمْ، یَا عِبَادِیْ! اِنَّکُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ، وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا، فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ اَغْفِرْلَکُمْ، یَاعِبَادِیْ! اِنَّکُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّیْ فَتَضُرُّوْنِیْ، وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِیْ فَتَنْفَعُوْنِیْ، یَا عِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ، وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ، کَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْکُمْ، مَا زَادَ ذٰلِکَ فِیْ مُلْکِیْ شَیْئًا، یَا عِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ، وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ، مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِنْ مُلْکِیْ شَیْئًا، یَا عِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ

وَآخِرَكُمْ، وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، قَامُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَاَلُوْنِيْ، فَاَعْطَيْتُ كُلَّ اِنْسَانٍ مَّسْاَلَتَـهٗ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِيْ اِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ، يَا عِبَادِيْ! اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا لَكُمْ، ثُمَّ اُوَفِّيْكُمْ اِيَّاهَا، فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ))

سیّدنا ابوذر غفاری ؓ نبی اکرم ﷺ سے حدیثِ قدسی روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

’’میرے بندو! میں نے اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے کہ کسی پر ظلم کروں اور مَیں نے اسے تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے‘ لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ میرے بندو! تم سب گمراہ ہو سوائے اُس کے جسے مَیں ہدایت دوں۔ پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو تو مَیں تمہیں ضرور ہدایت دوں گا۔ میرے بندو! تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اُس کے جسے مَیں کھانا دوں۔ پس تم مجھ سے کھانا مانگو تو مَیں تمہیں ضرور کھانا دوں گا۔ میرے بندو! تم میں سے ہر ایک برہنہ ہے سوائے اُس کے جسے مَیں لباس پہناؤں۔ پس تم مجھ سے لباس طلب کرو تو مَیں تمہیں لباس دوں گا۔ میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو اور مَیں تمام گناہ معاف کرنے والا ہوں۔ پس تم مجھ سے مغفرت طلب کرو تو مَیں تمہیں بخش دوں گا۔ میرے بندو! تم میرے نقصان کو نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے کوئی نقصان پہنچاؤ اور نہ تم میرے نفع کو پہنچ سکتے ہو کہ مجھے کوئی نفع پہنچاؤ۔ میرے بندو! تم میں سے اگلے پچھلے انسان اور جن‘ اگر سب کے سب اپنے میں سے متقی ترین دل والے شخص کی مانند بن جائیں تو اس سے میری حکومت میں بالکل اضافہ نہ ہو گا۔ میرے بندو! اگر تم میں سے اگلے پچھلے انسان اور جن‘ سب کے سب اپنے میں سے فاجر ترین دل والے شخص کی مانند بن جائیں تو اس سے میری حکومت میں بالکل کمی نہیں آئے گی۔ میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان اور جن‘ تمام کے تمام کھلے میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور مَیں ہر ایک کو اُس کے مانگنے کے مطابق دیتا جاؤں تو اس سے میرے خزانوں میں بس اتنی سی کمی آئے

گی جتنی سمندر میں سوئی ڈبو کر نکالنے سے سمندر میں کمی آتی ہے۔ میرے بندو! یہ تو تمہارے ہی اعمال ہیں جن کو مَیں تمہارے لیے محفوظ کر رہا ہوں‘ پھر مَیں تمہیں ان ہی کی پوری پوری جزا دوں گا‘ پس جو شخص اچھا نتیجہ پائے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جسے اچھا نتیجہ نہ ملے تو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔‘‘

حدیثِ قدسی کا تعارف

آج ہم‘ ان شاء اللہ‘ ایک بہت خوبصورت کلام کا مطالعہ کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کیا ہے‘ جس کا ذکر نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیثِ قدسی میں فرمایا ہے۔ یہ مبارک حدیث صحیح مسلم شریف میں نقل کی گئی ہے۔ حدیثِ قدسی اللہ کا کلام ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ اس کو نقل فرماتے ہیں۔ یہ وحی غیر متلو ہوتی ہے‘ جس کی ہم نماز میں تلاوت نہیں کر سکتے۔ وحی متلو قرآن حکیم کو کہا جاتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں کلام‘ اللہ کا ہوتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نقل اور روایت فرماتے ہیں‘ البتہ وہ قرآن کا حصہ نہیں ہوتا۔ یہ بات معروف ہے کہ قرآن حکیم کے علاوہ بھی نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ قرآن حکیم میں جو کچھ آ گیا اسے ہم وحی متلو کہتے ہیں اور جو سُنّت اور حدیثِ رسول ﷺ میں ہمیں میسّر آتا ہے اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ حدیثِ قدسی کے حوالے سے بھی محدثین نے مجموعے مرتّب فرمائے ہیں۔ بعض نے سو سے بھی زائد احادیثِ قدسیہ کو جمع فرمایا ہے۔

جس حدیث کا آج ہم مطالعہ کر رہے ہیں یہ امام نوویؒ نے ’’اربعینِ نووی‘‘ میں بھی نقل فرمائی ہے۔ یہ حدیث نمبر ۲۴ ہے۔ دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ اربعین چالیس کو کہا جاتا ہے البتہ امام نوویؒ نے بیالیس احادیث کو جمع فرمایا۔ چالیس چالیس احادیث کے مجموعوں اور بیانات کا ذکر ہمیں اُمّت میں مستقل ملتا ہے۔ اس کے پیچھے نبی اکرم ﷺ کی روایات موجود ہیں۔ استادِ محترم و بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے خطباتِ جمعہ میں ’’اربعینِ نووی‘‘ کا مطالعہ کروایا ہے جو کتابی شکل اور آڈیو ویڈیو میں بھی دستیاب ہے۔ اس حدیث میں خاص بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے براہِ راست کلام کر رہا ہے اور دس مرتبہ فرما رہا ہے: یاعبادی! یعنی اے میرے بندو! یہ انداز بڑا خاص ہے۔ پھر خصوصیت

سے اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کا بیان بھی آ رہا ہے۔

ہمارا دین حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم دیتا ہے۔ حقوق اللہ کے حوالے سے یہ امکان تو ہے کہ اللہ چاہے تو اپنے حق کو معاف فرما دے مگر حقوق العباد کے ضمن میں یہ بات معروف اور درست ہے کہ متعلقہ بندے سے معافی لینا بھی ضروری ہے۔ مالی معاملات اور مال کا لوٹایا جانا بھی لازم ہے۔ دین نے اس کی حساسیت بیان فرمائی ہے۔ پھر ہم کھانے پینے اور لباس کے محتاج ہیں۔ ہماری مادّی حاجات بھی ہیں۔ ان کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ ہماری روحانی حاجات کا ذکر بھی فرما رہا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی شانِ کریمی کا ذکر فرما رہا ہے کہ وہ معاف فرمانے والا ہے اور اُس نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ تم اللہ سے بخشش کا سوال کرو' وہ تمہیں معاف کرنے پر قادر ہے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی شانِ بے نیازی کا ذکر فرما رہا ہے کہ اگر وہ تم سے عبادت کا تقاضا کر رہا ہے تو تمہارے ہی بھلے کے لیے کر رہا ہے۔ اللہ کو تمہاری عبادات' تمہارے اعمال کی حاجت نہیں ہے۔ تم محتاج ہو' اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ تم سارے کے سارے مل کر فاسق وفاجر ہو جاؤ' مشرک ہو جاؤ' کافر ہو جاؤ تو پھر بھی اللہ کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر تم سارے کے سارے مل کر سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہو جاؤ تو اللہ کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اللہ کے خزانے بیش بہا ہیں اور تمہاری حاجات کم ہیں۔ اللہ کے خزانے نہ ختم ہونے والے ہیں۔ معاشیات میں ہمیں کچھ اور سکھایا گیا کہ ہماری ضروریات زیادہ ہیں جبکہ ہمارے وسائل کم۔ یہ مادّہ پرستانہ سوچ ہے۔ ایمان تو یہ کہتا ہے کہ تمہاری اوقات اور حیثیت کچھ نہیں' تمہاری ضروریات محدود ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے خزانے بیش بہا اور لامحدود ہیں۔ اس پر اللہ ہمیں مانگنے کی طرف متوجہ فرما رہا ہے۔ آخر میں ذکر آئے گا کہ تمہارے اعمال کے نتائج روزِ محشر سامنے آنے ہیں۔ یہ دنیا عارضی اور فانی ہے۔ جو کچھ کر رہے ہو' جو کہہ رہے ہو' جو تمہارے باطن میں ہے' جو ظاہر میں ہے وہ سب اللہ کے ریکارڈ پر ہے اور اس کا نتیجہ سامنے آنے والا ہے۔ نتیجہ اچھا ملے تو اللہ کا شکر ادا کرنا اور اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا۔ نتیجہ برا نظر آئے تو اپنے آپ کو ہی ملامت کرنا۔ یہ نکتے

ہیں جو ان شاء اللہ اس حدیث کے مطالعہ کے ذیل میں آئیں گے۔ اب ہم اس کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ الْغِفَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْمَا یَرْوِیْہِ عَنْ رَّبِّہٖ عَزَّوَجَلَّ : اَنَّہٗ قَالَ :

''سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثِ قدسی روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔''

ہم عموماً احادیث میں اس طرح پڑھتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ لیکن حدیثِ قدسی میں اس زنجیر کا معاملہ اللہ تعالیٰ تک جاتا ہے۔ صحابی عرض کر رہے ہیں کہ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہا ہوں اس بارے میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت کیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ فرمایا۔

پہلی بات: ظلم نہ کرو

((یَاعِبَادِی)) ''اے میرے بندو!''

خطاب کے اس انداز کو محسوس کرنا چاہیے۔ محسوس کریں گے تو اپنی اوقات بھی یاد رہے گی کہ ہم بندے ہیں۔ یہ جو نعرے لگتے ہیں کہ میرا جسم میری مرضی' میرا فلاں میری مرضی' اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اوقات یاد رکھو کہ تم بندے ہو' بندے بن کر رہو۔ اللہ فرماتا ہے:

((یَا عِبَادِیْ! اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ، وَجَعَلْتُہٗ بَیْنَکُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوْا))

''میرے بندو! مَیں نے اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے کہ کسی پر ظلم کروں اور مَیں نے اسے تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے' لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔''

ظلم یہ ہے کہ: وضع الشیئ فی غیرہ محلہ' یعنی کسی شے کو اُس کی جگہ سے ہٹا دینا۔ عام طور پر ہم ترجمہ کرتے ہیں کہ زیادتی کر جانا' حق تلفی کر جانا' حق مار جانا۔ یہ ہم سب کو معلوم ہے' کیونکہ کئی مرتبہ ہمارا حق مارا جا رہا ہوتا ہے' ہمارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہوتی ہے اور کئی مرتبہ ہم دوسروں کا حق مار رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت اس کا یہی پہلو

مطلوب ہے۔ ویسے قرآن حکیم میں ظلم کا لفظ شرک کے لیے بھی آیا۔ حضرت لقمان کی وصیت بایں الفاظ نقل ہوئی: ﴿ یٰبُنَیَّ لَا تُشۡرِکۡ بِاللّٰہِ ؕؔ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۳﴾ ﴾ (لقمٰن) ''اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا۔ یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔'' اس آیت میں ظلم کا مفہوم اس معنی میں آ رہا ہے کہ معاذ اللہ! خالق کو مخلوق کے برابر کر دینا یا مخلوق میں سے کسی کو اٹھا کر خالق کے برابر کر دینا۔ یہ بھی ظلم ہے۔ سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ البتہ زیر بحث حدیث میں اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں فرما رہا ہے کہ مَیں کسی کا حق نہیں ماروں گا' کسی کے ساتھ زیادتی یا بے انصافی نہیں کروں گا۔ مَیں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام ٹھہرایا ہے اور تمہارے لیے بھی ظلم کو حرام ٹھہرایا ہے کہ باہم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ کسی کی جان سے کھیلنا' کسی کا مال ہڑپ کرنا' کسی کی آبروریزی کرنا' یہ تمام کی تمام چیزیں ظلم کے ذیل میں آئیں گی۔ آبروریزی یہ بھی ہے کہ جھوٹا الزام لگایا جائے' یا کسی کا جھوٹا اسکینڈل بنایا جائے' یا کسی کی غیبت کی جائے' یا کسی کو گالی دی جائے وغیرہ۔ ہمارے ہاں گالی دینا تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ مال ہڑپ کر جانا وراثت کی تقسیم میں بھی ہوتا ہے اور یہ بھی کہ کسی کے پلاٹ پر قبضہ کر لیا جائے۔ پھر یہ پوری قوم کو بیچ کھانا بھی ہوا کرتا ہے۔ یہ سب ظلم ہی ہے۔ جان سے کھیلنا جسمانی طور پر اذیت پہنچانا بھی ہوگا اور' معاذ اللہ' کسی کی جان تک لے لینے کا معاملہ ہوگا۔ یہ سارے پہلو بندوں کے معاملات سے متعلق ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری جان' تمہارا مال' تمہاری آبرو ایسے ہی ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسے عرفہ کا دن' ذوالحجہ کا مہینہ اور یہ سرزمین مقدس حرام ہیں''۔ جیسے ان کا تقدس پامال کرنا حرام ہے' اسی طرح تمہارا ایک دوسرے کی جان' مال' آبرو سے کھیلنا بھی حرام ہے۔ یاد رکھیے کہ یہ معاملات ہیں۔ یہ نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج کے بعد کے معاملات ہیں۔ یہ قربانی' صدقہ وخیرات اور عمروں کے علاوہ معاملات ہیں۔ بلاشبہ عبادات بھی مطلوب ہیں اور کوئی ان کی اہمیت کم نہیں کر سکتا مگر پیچھے عقیدہ اور ایمان کتنا مضبوط ہے اور عبادات نے میری زندگی پر کیا اثر ڈالا ہے' یہ پتا اس وقت چلے گا

جب میں مسجد سے باہر آتا ہوں‘ اعتکاف سے باہر آتا ہوں‘ حج سے واپس آتا ہوں۔ جب مَیں خیر کے ماحول سے نکل کر معاملات کرنے نکلتا ہوں‘ dealing کرتا ہوں‘ کاروبار کرتا ہوں‘ جاب کرتا ہوں‘ روپے اختیار کرتا ہوں۔ نیند اور پنج وقتہ نماز کا وقت نکال دیں تو ہمارے کم وبیش پندرہ گھنٹے لوگوں کے درمیان میں گزرتے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم سب کا امتحان نماز‘ روزے‘ حج‘ داڑھی رکھنے اور ٹوپی سر پر رکھنے میں کم ہے جبکہ بندوں کے ساتھ معاملات کرنے میں زیادہ ہے۔

ہم کہاں کہاں ظلم کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے مَیں اپنے بارے میں جان سکتا ہوں‘ آپ اپنے بارے میں جان سکتے ہیں اور ہم سے زیادہ ہمارا رب جانتا ہے۔ حقوق العباد کا موضوع احادیث میں آیا ہے۔ آج مہلت ہے‘ معاملات سیدھے کر لو۔ کل نہ درہم ہوگا نہ دینار‘ یعنی روپیہ پیسہ نہیں ہوگا۔ اللہ ہم سب کو اپنے معاملات سیدھا کرنے کی توفیق دے۔ ماں باپ کو ستانا‘ بیوی کے ساتھ زیادتی کرنا‘ پڑوسی کا حق مارنا‘ رشتہ دار کو تنگ کرنا یہ سارے ظلم ہیں۔ اسی طرح اگر اپنے ملازمین سے بارہ گھنٹے کام لے کر آٹھ گھنٹے کی تنخواہ بھی وقت پر نہیں دے رہے تو یہ بھی ظلم ہے۔ ملازم چاہے مزدور ہو یا بڑے گریڈ کا افسر‘ اگر وہ بھی تنخواہ پوری لے رہا ہے لیکن کام وقت پر اور پورا نہیں کر رہا تو یہ بھی ظلم ہے۔ پس یہ مثالیں کافی ہیں۔

دوسری بات: ہدایت کا سوال

((يَا عِبَادِيْ! كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهٗ ، فَاسْتَهْدُوْنِيْ اَهْدِكُمْ))

’’میرے بندو! تم سب گمراہ ہو سوائے اُس کے جسے مَیں ہدایت دوں‘ پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو تو مَیں تمہیں ضرور ہدایت دوں گا۔‘‘

ہدایت دینے کا اختیار اللہ کے پاس ہے اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ اسے اُس نے اپنے پاس رکھا۔ کسی کو کافر قرار دینا یا جہنّم پہنچانا تو چھوٹی بات ہے‘ بندے تو خدائی کے دعوے پر آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہدایت ہے۔ قارون کے پاس دولت تھی‘ فرعون کے پاس اقتدار تھا‘ ابولہب کے پاس سرداری تھی‘ لیکن ان کے پاس

ہدایت نہیں تھی تو ان کے ساتھ کیا ہوا' ہم سب کو معلوم ہے۔ اس کے برعکس سیدنا بلال ؓ ' چہرہ بظاہر سیاہ تھا' مال نہیں تھا' خاندان اونچا نہیں تھا' غلام تھے' لیکن ان کے پاس ایمان کی دولت تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: بلال! تیرے قدموں کی آواز میں نے جنّت میں سنی۔ سیدنا عمر ؓ پکارتے ہیں: ''سیدنا بلال'' یعنی ہمارے آقا بلال۔ یہ تھا وہ معاشرہ جو کردار اور عقیدے کی بنیاد پر قائم تھا۔ آج ہم اس معاشرے کو ترس رہے ہیں۔ جب مال ہی معیار ہے تو پھر چوری بھی ہوگی' ڈاکا بھی پڑے گا' گردن بھی اڑے گی' بھائی اپنے بھائی کو قتل بھی کرے گا کیونکہ مال ہے تو عزت ہے۔ اس حوالے سے فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ﴾ (الحجرات: ۱۳)

''یقیناً تم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہے۔''

بہرحال' دوسری ہدایت یہ ہے کہ تم سارے کے سارے گمراہ ہو اور مَیں ہدایت دیتا ہوں۔ تم مجھ سے ہدایت مانگو' مَیں تمہیں ہدایت عطا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور آسمانی کتب کو ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾﴾ (الشوریٰ)

''اور آپؐ یقیناً سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے قرآن کے بارے میں فرمایا: ((هُوَ الصِّرَاطُ الْمُستقيم)) ''یہ سیدھا راستہ ہے''۔ اللہ نے قرآن ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ذریعے دیا۔ قرآن حکیم کا عملی نمونہ حضور ﷺ کی سیرت سے ملا۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنی ہر نماز میں تلاوت کرتے تھے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾۔ ہمارے استاد ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس دن دنیا سے تشریف لے گئے اس دن کی آخری نماز کی آخری رکعت میں بھی حضور ﷺ نے سورۃ الفاتحہ تلاوت کی تھی۔ جن کے ذریعے قرآن ملا' جن کے ذریعے ایمان کی دولت ملی' جن کے ذریعے یہ راستہ ملا' وہ

ہدایت کی یہ دعا نمازوں میں جاری کر گئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم ہدایت کی دعا کرنے کے کتنے محتاج ہیں۔ سورۃ الفاتحہ وہ دعا ہے جو دل سے نکلنی چاہیے۔ انفرادی نمازوں میں کبھی کبھار اگر دس مرتبہ بھی اسے دہرالیں تو مضائقہ نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کا صدیوں پرانا ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے: ''کتاب الصلوٰۃ''۔ اردو میں ترجمہ بھی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ''تم کیسے ایک ہی سانس میں سورۃ الفاتحہ پڑھ جاتے ہو! الحمدللہ پڑھتے ہوئے تمہیں اللہ کی نعمتوں کا خیال نہیں آتا؟ ربُّ العالمین کہتے ہوئے اللہ کی عظمت کا احساس نہیں ہوتا؟ رحمان ورحیم کہتے ہوئے اس کی شفقت کا ادراک نہیں ہوتا؟ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کہتے ہوئے تمہاری ٹانگیں کبھی کانپتی ہیں کہ نہیں؟ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ کہتے ہوئے تمہیں اپنے اس دعوے پر اعتماد ہے کہ تم واقعتاً اس کی بندگی کر رہے ہو؟ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ کہتے ہوئے کیا تمہیں یقین ہے کہ تم اپنے مالک اللہ ہی کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہو' کسی سیٹھ یا کسی وزیر کو نہیں؟ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کہتے ہوئے تمہیں احساس ہے کہ تم کس قدر محتاج ہو اور کس قدر تمہیں ہدایت کی ضرورت ہے؟ اللہ کے فضل سے اہل ایمان جب جنّت پہنچیں گے تو ان کی زبان پر شکر کا ترانہ ہوگا:

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِيَ لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ ۚ﴾

(الاعراف:۴۳)

''کُل شکر اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچادیا' اور ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہی نے ہمیں نہ پہنچادیا ہوتا۔''

سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ تو سب کو یاد ہوگا۔ کوئی کہے کہ مجھے یاد نہیں تو مَیں پوچھوں گا کہ: اردو آتی ہے؟ وہ کہے گا ہاں! تو میں کہوں گا کہ آپ کو آتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ کے ۸۵ فیصد الفاظ ہم اردو زبان میں استعمال کرتے ہیں۔ حمد' اللہ' رب' عالَم' رحمٰن' رحیم' مالک' یوم' صراط' مستقیم' سارے الفاظ اردو میں مستعمل ہیں۔ دو چار الفاظ ہم استعمال نہیں کرتے۔ اِيَّاكَ ہم استعمال نہیں کرتے۔ نَسۡتَعِيۡنُ: استعانت ہم اردو میں استعمال کرتے ہیں۔ ضَآلِّيۡنَ: ضال اردو میں بھی استعمال ہوجاتا ہے' تھوڑا مشکل لگے گا۔ پہلی تین آیتوں

کے سارے الفاظ ہم اردو میں استعمال کرتے ہیں۔ آج یہ ارادہ کرلیں کہ نماز ٹھہر ٹھہر کر ادا کروں گا اور سورۃ الفاتحہ کی دعا دل سے مانگوں گا۔ اللہ ہم سب کو توفیق دے! یہ دوسری بات ہدایت ہے جو اللہ نے ہماری سب سے بڑی حاجت کا ذکر فرما دیا۔ اسے پچھلی بات سے جوڑیے۔ ظلم کرنے والے کو ہدایت نہیں ملتی۔ پہلے اللہ نے ظلم کرنے سے منع کیا‘ اب ہدایت کا ذکر کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٦﴾﴾ (آل عمران)

’’اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

تو prerequisite یہ ہے کہ ظلم چھوڑ و تو تمہیں ہدایت ملے گی اور ہدایت کے تم محتاج ہو تو اسے اللہ سے مانگو۔ اللہ ہمیں مانگنے والا بننے کی توفیق عطا فرمائے! ہم بڑے کنجوس ہو گئے ہیں۔ بعض اختلافی نوعیت کے مسائل کا ذکر نہیں کرتا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اجتماعی دعا کے قائل نہیں ہیں ۔ نہ ہوں‘ لیکن دعا کے تو قائل ہیں نا! اپنے آپ کو چیک کریں کہ ۲۴ گھنٹے میں ہم نے شعوری طور پر اللہ سے ہدایت کی دعا کتنی مرتبہ مانگی اور اپنی ذات کا تجزیہ کیا! سٹاک مارکیٹ کے ریٹ‘ انوسٹمنٹ کے ریٹ مَیں کتنا چیک کرتا ہوں‘ جبکہ میرا ہدایت کا معاملہ آگے گیا یا پیچھے گیا‘ یہ کتنا چیک کرتا ہوں۔ پتا چل جائے گا۔ چیک کریں پچھلے ۲۴ گھنٹوں میں ہم نے اللہ سے جنّت کا سوال کتنی مرتبہ کیا جو مفت میں ملنے والی شے نہیں؟ اسی طرح جہنّم سے بچنے کا سوال کتنی مرتبہ کیا؟ پتا چل جائے گا کہ ہم دعا مانگنے میں کتنے سنجیدہ ہیں!

تیسری بات: کھانے کا سوال

((يَا عِبَادِيْ! كُلُّكُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهٗ، فَاسْتَطْعِمُوْنِيْ اُطْعِمْكُمْ))

’’میرے بندو! تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اُس کے جسے مَیں کھانا دوں‘ پس تم مجھ سے کھانا مانگو تو مَیں تمہیں ضرور کھانا دوں گا۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ مَیں نے کھالیا‘ حالانکہ یہ دعا بچپن سے یاد کی ہوئی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا...... ’’تمام شکر اور تعریف اللہ کے لیے جس نے ہمیں کھلایا اور

پلایا…… ’’ایک آدھ حرف کے فرق سے زمین و آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ مَیں نے کھایا نہیں بلکہ اُس نے مجھے کھلایا۔ یوں اوقات یاد رہے گی اور ایک ایک لقمہ کی قدر و قیمت واضح ہو گی۔ میرا زیادہ وقت کراچی میں گزرتا ہے۔ ہم اپنے شہروں میں دیکھ سکتے ہیں کہ بڑے بڑے رہائشی علاقوں میں کھانا ڈمپ ہوتا ہے۔ ذرا صبح جا کر چیک کر لیں‘ شاید وہاں کچھ لوگ کچرے میں سے کھاتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ناشکری ہو رہی ہے۔ پھر ہم روتے ہیں کہ ہماری معیشت سنبھل نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَلَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ ۷﴾ (ابراھیم)

’’اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔‘‘

اور عذاب صرف آخرت ہی میں نہیں آتا‘ دنیا میں بھی نازل ہوتا ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے! اب ہماری مادّی حاجات کا ذکر ہو رہا ہے۔ ہم کس قدر ایک ایک لقمہ کے محتاج ہیں۔ ہم سب کو پتا ہے کہ ہم سارے محتاج ہیں لیکن بھول جاتے ہیں۔ اس لیے دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ایک ایک دعا میں پورا عقیدہ آ جاتا ہے‘ پوری فکر آ جاتی ہے۔ ایک ایک دعا ہماری اوقات یاد دلاتی ہے اور ربّ کی عظمت بیان کرتی ہے۔

چوتھی بات: لباس کا سوال

((یَا عِبَادِیْ! کُلُّکُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ کَسَوْتُہٗ ، فَاسْتَکْسُوْنِیْ اَکْسُکُمْ))

’’میرے بندو! تم میں سے ہر ایک برہنہ ہے سوائے اُس کے جسے مَیں لباس پہناؤں‘ پس تم مجھ سے لباس طلب کرو تو مَیں تمہیں لباس دوں گا۔‘‘

اللہ کے رسول ﷺ نے چن چن کر ہمیں دعائیں سکھائی ہیں۔ لباس کی دعا ہے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ))

’’تمام شکر اور تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے یہ لباس مجھے پہنایا میری طاقت اور میری قوت کے بغیر۔‘‘

یہ تفصیل اپنی جگہ پر ہے کہ ایک لقمہ جو مَیں منہ میں لیتا ہوں اس کے پیچھے اللہ کی قدرت

کے کس قدر نظارے ہیں۔ کپڑا جو مَیں اپنے جسم پر پہنتا ہوں اس کے پیچھے قدرت کے کس قدر نظارے ہیں۔ مَیں اللہ کی قدرتوں اور نعمتوں کا کس قدر محتاج ہوں۔

پانچویں بات: مغفرت کا سوال

((یَا عِبَادِیْ! اِنَّکُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ ، وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا' فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ))

''میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو اور مَیں تمام گناہ معاف کرنے والا ہوں' پس تم مجھ سے مغفرت طلب کرو تو مَیں تمہیں بخش دوں گا۔''

اللہ خالق ہے' اُس کو پتا ہے کہ بندے خطا کریں گے۔ خطا ہو جانا کوئی بڑا مسئلہ نہیں لیکن خطا پر اَڑ جانا مسئلہ ہے۔ شیطان اَڑ گیا تو راندۂ درگاہ ہوا' جبکہ حضرت آدمؑ سے لغزش ہوگئی یا ہمیں سمجھانے کے لیے کرا دی گئی اور وہ جھک گئے تو اللہ تعالیٰ نے خلافت دے کر انہیں زمین پر بھیج دیا۔ جھکنے میں عظمت ہے اور اَڑنے میں بربادی ہے۔ بہرحال خطا ہو جائے تو معافی مانگنے پر اللہ بخش دے گا۔ اللہ جو چاہے سو کرے۔ اس کا ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن پاک میں جابجا کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ①﴾ (الملک)

''اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ⑯﴾ (البروج)

''وہ جو ارادہ کرلے' کر گزرنے والا ہے۔''

﴿لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ ㉓﴾ (الانبیاء)

''وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے جوابدہی نہیں ہو سکتی اور ان سب کی جوابدہی ہوگی۔''

﴿اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ⑪⑧﴾ (المائدہ)

''اب اگر تُو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں۔ اور اگر تُو انہیں بخش دے تو تو زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

﴿یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ﴾ (الفتح:١٤)

''وہ بخشے گا جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو چاہے گا۔''

امام الانبیاء محمدٌ رسول اللہﷺ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' جن کا مقام وشرف ہے وہ دن میں سو سو مرتبہ استغفار کرتے تھے' حالانکہ آپؐ تو خطاؤں سے پاک تھے۔ آپﷺ فرض نمازوں میں سلام پھیر کر پڑھتے تھے:

((اللّٰہ اکبر ،استغفر اللّٰہ ،استغفر اللّٰہ ،استغفر اللّٰہ))

حضرت محمدٌ رسول اللہﷺ کی نمازیں کیسی ہوں گی! قیام' رکوع اور سجدہ میں آپﷺ کی کیا کیفیات ہوتی ہوں گی! اللہ سے ڈائریکٹ کلام کا کیسا معاملہ رہتا ہوگا! ان سب سے قطع نظر آپﷺ نمازوں کے بعد استغفار کا اہتمام ضرور کرتے تھے۔ علماء نے اس کی دو حکمتیں بیان کی ہیں: (۱) اُمّت کی تعلیم کے لیے۔ (۲) حضورﷺ کی عاجزی کا اظہار۔ یعنی مالک تیرے حکم پر سجدے تو کیے' جھک تو گئے لیکن اس جھکنے میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس پر بھی استغفار۔ یہ ہمارا خیال ہے کہ استغفار کا اہتمام صرف گناہوں پر ہونا چاہیے۔ وہاں استغفار نیکیوں پر ہو رہا ہے اور نیکی بھی سید المرسلین محمدٌ رسول اللہﷺ کی۔ یہ اُمّت کی تعلیم کے لیے ہے' مگر بندہ غور تو کرے۔ آپﷺ کی یہ کیفیت تھی تو ہمیں کس قدر استغفار کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے! کوئی کہے کہ مَیں نے سُنّت کے مطابق سو مرتبہ گن کر استغفار کر لیا۔ ایک ہے سُنّت کا علم ہونا اور ایک ہے سُنّت کا فہم ہونا۔ جو ذات خطاؤں سے پاک اور معصوم ہے وہ اگر اتنا استغفار کر رہی ہے تو جو گناہ گار ہیں انہیں کتنا استغفار کرنا چاہیے۔ یہاں پر فہمِ سُنّت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استغفار کی کثرت کی توفیق عطا فرمائے!

چھٹی بات: بے نیاز ہستی

((يَا عِبَادِيْ! اِنَّـكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّيْ فَتَضُرُّوْنِيْ ، وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ))

''میرے بندو! تم میرے نقصان کو نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے کوئی نقصان پہنچاؤ' اور نہ تم میرے نفع کو پہنچ سکتے ہو کہ مجھے کوئی نفع پہنچاؤ۔''

اللہ تو بے نیاز ہے‘ تم فقیر ہو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ﴾ (محمد:۳۸)

’’اور اللہ غنی ہے اور محتاج تو تم ہی ہو۔‘‘

وہ الصمد ہے‘ بے نیاز ہے‘ سب اُس کے محتاج ہیں‘ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم سارے کے سارے عبادت گزار ہو جاؤ تو اللہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح اگر تم سارے کے سارے فاسق وفاجر ہو جاؤ تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں۔ نفع اور نقصان کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے نہ کہ تمہارے پاس۔ معاملات اسباب کے تحت چلتے ہیں جو اللہ نے تمہارے لیے بنائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسباب کا پابند نہیں ہے‘ وہ محتاج نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بی بی مریم سلام اللہ علیہا کے بارے میں مسیحیت کے ماننے والوں نے الوہیت کا جو تصور اختیار کیا تھا‘ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تین سادہ لفظوں میں اس سارے تصور کو رد کر دیا۔ فرمایا:

﴿كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ﴾ (المائدہ:۷۵)

’’دونوں کھانا کھاتے تھے۔‘‘

یہ جملہ قرآن کریم میں اس لیے آ رہا ہے کہ جو کھاتا ہے وہ محتاج ہے‘ جو پیتا ہے وہ محتاج ہے اور محتاج کو تم معبود بنائے بیٹھے ہو! ﴿وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ﴾ (الانعام:۱۴) ’’اللہ تعالیٰ کو کھلایا نہیں جاتا بلکہ اللہ کھلاتا ہے۔‘‘ بہرحال اللہ کے ساتھ نفع نقصان کا کوئی معاملہ نہیں ہے‘ بلکہ یہ اختیار رکھنے والا تو خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ اگلے الفاظ اسی کے تسلسل میں ہیں۔

ساتویں بات: اللہ کو عبادات کی حاجت نہیں

((يَا عِبَادِيْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَـكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّـكُمْ، كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْكُمْ، مَا زَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا۔ يَا عِبَادِيْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَـكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّـكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِيْ شَيْئًا))

’’میرے بندو! تم میں سے اگلے پچھلے‘ انسان اور جن‘ اگر سب کے سب اپنے میں سے متقی ترین دل والے شخص کی مانند بن جائیں تو اس سے میری حکومت میں بالکل اضافہ نہ ہوگا۔ میرے بندو! اگر تم میں سے اگلے پچھلے‘ انسان اور جن‘ سب کے سب اپنے میں سے فاجر ترین دل والے شخص کی مانند بن جائیں تو اس سے میری حکومت میں بالکل کمی نہیں آئے گی۔‘‘

کیا ہم سارے کے سارے انسان اور جِنّات شمار کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! شروع سے آخر تک ان کا شمار کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ اللہ کو ہماری عبادات کی حاجت نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بالفرض ایک شخص اپنی پیدائش سے موت کے وقت تک سجدے کی حالت میں رہے تو وہ بھی کل قیامت کے دن کھڑا ہوگا اور اللہ کے جلال کو دیکھے گا تو ساری زندگی کے اس عمل کی اس کی نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ (جامع ترمذی) تم سارے کے سارے فاسق و فاجر ہو جاؤ تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں۔ تم سارے کے سارے متقی‘ پرہیزگار ہو جاؤ تو اللہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ انسان یہ اعمال اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ﴾ (العنکبوت:۶)

’’اور جو کوئی بھی جہاد کرتا ہے تو وہ اپنے (ہی فائدے کے) لیے جہاد کرتا ہے۔‘‘

﴿وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ﴾ (النمل:۴۰)

’’اور جو شکر ادا کر رہا ہے تو اپنے ہی بھلے کے لیے۔‘‘

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ﴾

’’جس کسی نے اچھا کام کیا تو اُس نے اپنے ہی (بھلے کے) لیے کیا۔‘‘

اللہ کو تمہارے سجدوں‘ محنتوں اور عبادات کی کوئی حاجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی قسم کے زعم اور تکبر سے ہماری حفاظت فرمائے!

آٹھویں بات: ہر حاجت اللہ ہی سے مانگو

((يَا عِبَادِيْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، قَامُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَاَلُوْنِيْ))

''میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے' انسان اور جن' تمام کے تمام کھلے میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں۔''

الفاظ پر غور کیجیے' بڑے پیارے الفاظ ہیں۔ آج ہم ۲۲ کروڑ کے لیے پریشان ہیں جبکہ اللہ فرماتا ہے سارے جن وانس ایک چٹیل میدان میں کھڑے ہو جائیں اور سارے کے سارے مجھ سے سوال کر لیں۔ کیا کیا سوال کریں گے؟ آئی فون ۱۴ مل جائے؟ vivo کا نیا ماڈل مل جائے۔ آج یہی سوچ ہے نا! اب تو پرچیاں ملتی ہیں کہ مولوی صاحب دعا کرا لیں مراکش جیت جائے۔ سارا اسلام اور جہاد تو ''فیفا'' کے فٹ بال ٹورنامنٹ میں رہ گیا۔ دعا کرا دیں پاکستان انڈیا سے میچ جیت جائے۔ جہاد کرکٹ کے میدان میں نظر آ رہا ہے۔ کوئی اللہ کی رحمت' اللہ کی ہدایت' اللہ کا فضل' اللہ کا کرم' اللہ کی عطا' کوئی حسنہ' کوئی عافیت بھی تمہاری لسٹوں میں ہے کہ نہیں؟ اللہ کہتا ہے جاؤ سارے کے سارے سب کچھ مانگ لیں۔ آگے فرمایا:

((فَاَعْطَيْتُ كُلَّ اِنْسَانٍ مَسْاَلَتَهٗ))

''اور میں ہر ایک کو اُس کے مانگنے کے مطابق دیتا جاؤں۔''

یہ تو خالقِ کائنات ہی کہہ سکتا ہے۔ حکومت تو کہے گی میرا بجٹ ختم ہو رہا ہے' حکمران کہے گا کہ میں تو ویسے ہی نقصان میں چل رہا ہوں۔ اللہ کہتا ہے کہ نہیں' سارے کے سارے سب کچھ مانگیں اور ہر ایک کو اُس کے مانگنے کے مطابق مَیں عطا کر دوں۔

((مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِيْ اِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ))

''تو اس سے میرے خزانوں میں بس اتنی سی کمی آئے گی' جتنی سمندر میں سوئی ڈبو کر نکالنے سے سمندر میں کمی آتی ہے۔''

یہ ہے ایمان کا مسئلہ۔ پس مانگنے والے بنو۔ خود کو مستحق بنانا پڑے گا۔ خزانوں کا عالَم یہ ہے کہ کسی نے بڑا پیارا جملہ کہا: ''پتھر کا زمانہ اس لیے ختم نہیں ہوا کہ پتھر ختم ہو گئے' بلکہ اللہ نے کچھ اور دے دیا''۔ اللہ نے تمہارے لیے دُنیا سجائی' جاؤ محنت کرو۔ جیسے کہا جاتا ہے: مَنْ جَدَّ وَجَدَ جو محنت کرے گا پالے گا۔ اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں ہے۔

نویں بات: اعمال کو محفوظ رکھنے والی ذات

((يَا عِبَادِيْ! اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا لَكُمْ))

''میرے بندو! یہ تو تمہارے ہی اعمال ہیں' جن کو میں تمہارے لیے محفوظ کر رہا ہوں۔''

سورۃ المجادلہ میں اللہ فرماتا ہے: ﴿اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ﴾ (آیت ٦) ''اللہ نے ان (اعمال) کو محفوظ کر رکھا ہے جبکہ وہ انہیں بھول چکے ہیں۔'' بندے تو عمل کر کے بھول گئے لیکن ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝۶۴﴾ (مریم) ''اور آپؐ کا ربّ بھولنے والا نہیں ہے۔'' بندوں کی تو بڑی بڑی ہارڈ ڈسکس کرپٹ ہو جاتی ہیں' ڈیٹا لیک ہو کر نکل جاتا ہے یا اُڑ جاتا ہے' لیکن اللہ کے ہاں سے کچھ اُڑنے والا نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝۱۴﴾ (بنی اسرائیل) ''پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود ہی اپنا حساب کر لینے کے لیے کافی ہو۔''

زیر درس حدیث میں آگے فرمایا:

((ثُمَّ اُوَفِّيْكُمْ اِيَّاهَا))

''پھر مَیں تمہیں ان ہی کی پوری پوری جزا دوں گا۔''

یہی ہماری پوچھ گچھ ہے۔ گورا چٹا چہرہ ہے تو اس پر جنّت نہیں ہے۔ سیاہ چہرہ ہے تو اس پر جہنّم نہیں ہے۔ یہ غیر اختیاری شے ہے۔ امریکہ میں پیدا ہوا تو محض وہاں پیدا ہونے کی بنیاد پر جنّت نہیں مل جائے گی اور سری لنکا میں پیدا ہوا ہوگا تو اس وجہ سے جہنّم میں نہیں ڈالا جائے گا' بلکہ تمہارے اعمال پر ہی تمہیں نتائج ملیں گے۔ البتہ:

((فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ))

''پس جو شخص اچھا نتیجہ پائے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔''

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۖ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾ (الاعراف:۴۳)

''اور وہ کہیں گے: کُل شکر اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا' اور ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہی نے ہمیں نہ پہنچا دیا ہوتا۔''

جب سُنّت کی تعلیم سامنے ہو تو فکر اور سوچ سیدھی ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص تم میں سے اپنے عمل کی بنیاد پر جنّت میں داخل نہیں ہو گا۔ پوچھا گیا: کیا آپ ﷺ بھی؟ فرمایا: ہاں! میں بھی نہیں، جب تک کہ اللہ کی رحمت میرے شامل حال نہ ہو۔ سیّد المرسلین ﷺ یہ فرما رہے ہیں تو باقیوں کی حیثیت کیا ہے؟ یہاں حدیثِ قدسی میں ربّ تعالیٰ فرما رہا ہے:

((وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ))

''اور جسے اچھا نتیجہ نہ ملے تو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑮﴾ (الجاثية)

''جس کسی نے اچھا کام کیا تو اُس نے اپنے ہی (بھلے کے) لیے کیا، اور جس کسی نے برا کام کیا تو اس کا وبال بھی اُسی پر ہو گا، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔''

بدی کرے گا تو وبال اسی پر آئے گا۔ یہ بندوں کے اعمال ہی ہیں جو اللہ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں اور بندے کو جہنّم کی طرف لے جائیں گے۔ جنّت میں جانے والا محض اللہ کے فضل سے جائے گا۔ ہاں! اللہ کی شانِ کریمی ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے:

﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ㉜﴾ (النحل)

''داخل ہو جاؤ جنّت میں اپنے اعمال کے بدلے میں۔''

یعنی جاؤ جنّت میں اپنے اعمال کے سبب۔ وہ جو چاہے سو کہے لیکن بندے کی بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ کہے: مالک یہ تیری عطا اور فضل ہے، وگرنہ میں تو اس قابل نہ تھا۔ جہنّم میں جانے والا اپنے آپ کو ملامت کرے، نہ کہ کسی اور کو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جہنّم سے محفوظ فرمائے اور جنّت الفردوس عطا فرمائے۔ یہ بڑا پیارا کلام ہے۔ اس حدیثِ قدسی میں دس مرتبہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین! ۞

اسلام کی دو سالانہ عیدیں

عید الفطر اور عید الاضحیٰ

اور اس موقع پر فقراء و مساکین کا لحاظ

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو عظیم عبادات اور اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے دو اہم ارکان کے ساتھ ملحق ہیں۔ عید الفطر صومِ رمضان کے ساتھ اور عید الاضحیٰ حج بیت اللہ کے ساتھ۔ ان دونوں میں ایک طرف دوگانۂ شکرانہ مع اضافی تکبیرات اور نماز کے لیے جاتے اور آتے ہوئے غلغلۂ تکبیر بلند کرتے رہنا مشترک ہیں، جس کا حکم قرآن میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں صومِ رمضان سے متعلق آیت کا اختتام بھی ان الفاظ مبارکہ پر ہوا کہ:

﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٨٥﴾﴾

’’اور تاکہ تم پوری کرو تعداد اور تکبیر کرو اللہ کی اُس ہدایت پر جو اُس نے تم کو دی اور تاکہ تم شکر کرو!‘‘

اور سورۃ الحج میں فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٧﴾﴾

''اوراس طرح اس نے ان (قربانی کے جانوروں) کو تمہارے لیے مسخر کر دیا' تاکہ تم اللہ کی تکبیر کرو اُس ہدایت پر جو اُس نے تمہیں عطا فرمائی اور (اے نبی ﷺ) بشارت سنا دیجیے احسان کی روش اختیار کرنے والوں کو!''

اسی طرح دونوں عیدوں کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے غرباء وفقراء اور محتاجوں اور مسکینوں کے لیے خاص اہتمام رکھا ہے۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر یہ ضرورت قربانی کے گوشت کے ذریعے پوری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج میں دوبار فرمایا کہ اس میں سے خود بھی کھاؤ اور غرباء و مساکین کو بھی کھلاؤ۔ چنانچہ پہلے فرمایا: ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝۲۸﴾ ''کھاؤ اُس میں سے خود بھی اور کھلاؤ فاقہ کش فقیروں کو بھی۔'' دوبارہ پھر فرمایا: ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ﴾ (آیت ۳۶) یعنی کھاؤ اس میں سے خود بھی اور کھلاؤ ان قانع لوگوں کو بھی جو صاحبِ احتیاج ہونے کے باوجود صبر وقناعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں —— اور ان کو بھی جو بے تاب ہو کر دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

عید الفطر کے موقع پر اسی غرض کے تحت اسلام میں صدقۂ فطر کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس خوشی میں صاحبِ استطاعت لوگوں کے ساتھ غرباء ومساکین بھی شامل ہو جائیں۔ یہ صدقہ ہر اُس مسلمان پر واجب ہے جو صاحبِ نصاب ہو' اور پھر اُس کو وسعت یہ دی گئی ہے کہ ایسا شخص صرف اپنی ہی طرف سے یہ صدقہ نہ کرے بلکہ اپنے زیرِ کفالت ہر ذی نفس کی جانب سے ادا کرے' یہاں تک کہ ایک بچہ اگر عین عید کی صبح کو تولد ہوا ہو تو اُس کی جانب سے بھی صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ صدقۂ فطر کا ذکر اگرچہ قرآن میں تو موجود نہیں ہے تاہم متعدد احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس کا ذکر نہایت وضاحت اور غایت درجہ تاکید کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلَاةِ

’’نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد‘ ہر مرد و عورت اور ہر چھوٹے بڑے پر صدقۂ فطر‘ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو‘ لازم کیا ہے‘ اور حکم دیا ہے کہ یہ صدقہ نمازِ عید کے لیے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے!‘‘

اس حدیث میں اگرچہ اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ یہ صدقۂ فطر صرف صاحبِ نصاب پر واجب ہے‘ لیکن یہ بات اظہر من الشّمس ہے اور عقلِ سلیم کے لیے اس کا جاننا کچھ مشکل نہیں۔ کھجوروں اور جَو کی وضاحت اس لیے کی گئی کہ یہی اہلِ مدینہ کی عام خوراک تھی۔ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو سے متوسط افراد پر مشتمل ایک کنبے کی ایک دن کی غذائی ضروریات کی کفالت ہو جاتی تھی۔ گویا ایک صاحبِ نصاب شخص کے گھر میں اگر کُل افراد دس ہیں تو اُس کے صدقہ فطر سے غریب مسلمانوں کے دس گھرانوں کی ایک دن کی خوراک کا انتظام ہو گیا۔

صاع کے تعین میں کسی قدر اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک وہ ہمارے اوزان کے اعتبار سے ساڑھے تین سیر کے لگ بھگ ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک اس سے نصف‘ یعنی پونے دو سیر کے لگ بھگ۔ اس کے تعین کے لیے لوگوں کو اپنے اپنے معتمد علیہ علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے‘ اور چونکہ ہمارے یہاں کی عام خوراک گندم ہے لہٰذا ساڑھے تین سیر یا پونے دو سیر گندم کی جو قیمت بازار میں ہو اُس کے حساب سے ہر ہر فردِ خانہ کی جانب سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے۔

نمازِ عید کے لیے گھر سے روانگی سے قبل صدقۂ فطر کی ادائیگی کی تاکید کا اصل مقصود یہی ہے کہ غرباء و مساکین بھی عید کی خوشیوں میں آسودگی کے ساتھ شریک ہو سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان آبادی میں لوگ عید کی خوشیاں منا رہے ہوں جبکہ اسی علاقے میں کوئی مسلمان گھرانہ فاقے سے ہو! صدقۂ فطر کی اس حکمت کو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے جو سنن ابی داوٗد میں وارد ہوئی ہے —— یعنی حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے‘ آپؐ نے فرمایا:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرًا لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ

وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ

’’رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر اس لیے واجب اور لازم کیا ہے کہ لوگوں کے روزے اگر فضول اور لایعنی گفتگو یا کسی فحش بات کے باعث آلودہ ہو گئے ہوں تو اس سے پاک ہو جائیں اور ساتھ ہی محتاجوں اور مسکینوں کے کھانے کا بندوبست ہو جائے!‘‘

ان دونوں احادیث میں صدقۂ فطر کے لیے ’’زکوٰۃ الفطر‘‘ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ یہاں اصل اشارہ اسی جانب ہے کہ جیسے فرض زکوٰۃ کا اصل حاصل لوگوں کے دلوں سے مال کی محبّت کی نجاست کو دُور کرنا ہے تاکہ لوگوں کی سیرتوں اور شخصیتوں کی تعمیر ان خطوط پر ہو سکے جو اُن کے خالق و مالک کو پسند ہیں‘ اسی طرح یہ زکوٰۃ الفطر درحقیقت روزوں کو معصیت کی آلودگی سے پاک کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ البتہ جس طرح فرض زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظامِ عدل وانصاف کا اہم رکن ہے جس کے ذریعے معاشرے کے ان لوگوں کی کفالت ہوتی ہے جو کسی سبب سے معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہوں اور اپنے پاؤں پر نہ کھڑے ہو سکتے ہوں‘ اسی طرح زکوٰۃ الفطر سے عید کی خوشی میں پس ماندہ لوگوں کی شرکت وشمولیت کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے۔

اللہ ہمیں اوّلاً ماہِ صیام کی برکتوں سے کما حقہٗ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مبارک مہینے کے اختتام پر صدقۂ فطر ادا کرنے کی توفیق بھی دے تاکہ ہمارے غریب بھائی عید کی خوشیوں میں ہمارے ساتھ شریک ہو سکیں۔ آمین‘ ثم آمین!

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر ’’بیان القرآن‘‘ کے ترجمہ وترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں‘ آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

رمضان اور قرآن کا باہمی تعلق

احمد علی محمودی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں انسان کو اشرف واکرم بنایا اور اس کی فطرت میں نیکی اور بدی‘ بھلائی اور برائی‘ تابعداری اور سرکشی‘ خوبی اور خامی‘ غرض دونوں قسم کی صلاحیتیں اور استعدادیں یکساں طور پر رکھ دی ہیں۔ اسی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ کسی بھی انسان سے حسنات بھی ممکن ہیں اور سیئات بھی۔ اس کے باوجود اگر کوئی سیئات ومعصیات سے مجتنب ہو کر اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو حسنات وطاعات سے مزیّن اور آراستہ کر لے تو یہ اس کے کامیاب و کامران ہونے اور خالق ومالک کے نزدیک اشرف واکرم ہونے کی سب سے بڑی نشانی ہے۔

یہی تقویٰ وپرہیزگاری ہے جو روزہ کا مقصدِ اصلی ہے‘ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾﴾ (البقرہ)

’’اے ایمان والو! تم پر بھی روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسے کہ فرض کیا گیا تھا تم سے پہلوں پر تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔‘‘

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ میں اشارہ ہے کہ زندگی میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے روزہ کا بڑا اثر ہے۔ ماہِ صیام ہی کی ایک بابرکت رات میں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم آسمانِ دنیا پر نازل ہوئی‘ جس سے استفادہ کی بنیادی شرط بھی تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْہِ ۛ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۲﴾﴾ (البقرہ)

’’یہ الکتاب ہے‘ اس میں کچھ شک نہیں۔ یا یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے۔‘‘

رمضان اور قرآن کی مشترک خصوصیات

رمضان اور قرآن کی پہلی اور اہم مشترک خصوصیت تقویٰ ہے‘ جیسا کہ قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ذکر کیا گیا۔ دوسری مشترک خصوصیت شفاعت ہے۔ تیسری خصوصیت جو رمضان اور قرآن دونوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے‘ وہ قُربِ الٰہی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کے وقت قاری کو اللہ تعالیٰ سے خاص قرب حاصل ہوتا ہے‘ ایسے ہی روزہ دار کو بھی اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے۔ روزہ کے متعلق ایک حدیث قدسی کے یہ الفاظ بخاری و مسلم سمیت متعدد کُتبِ احادیث میں وارد ہوئے ہیں: ((اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ)) ’’روزہ خاص میرے لیے ہے اور مَیں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔‘‘ اعراب کے ذرا سے فرق کے ساتھ بعض محدّثین نے اسے یوں بھی پڑھا ہے: ((اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ)) ’’روزہ خاص میرے لیے ہے اور مَیں خود ہی اس کی جزا ہوں۔‘‘

بلاشبہ نماز‘ زکوٰۃ اور حج وغیرہ سبھی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور ان کی جزا بھی ظاہر ہے کہ بس وہی دے سکتا ہے اور دے گا‘ لیکن روزے کا تعلق چونکہ جسم سے زیادہ روح سے ہے اور روزہ جسم سے زیادہ روح کی تقویت اور تغذیہ کا ذریعہ ہے اور روح کو باری تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق اور ایک خصوصی نسبت حاصل ہے جو جسم انسانی کو حاصل نہیں‘ لہٰذا روزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مَیں خود ہی روزہ کا بدلہ ہوں۔

اس حدیثِ قدسی کے بارے میں داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنے کتابچے ’’عظمتِ صوم‘‘ میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

رمضان کا قرآن کریم سے خاص تعلق

رمضان المبارک اسلامی تقویم (کیلنڈر) میں وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم نازل فرمایا‘ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

’’رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اُتارا گیا ہے جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے

اور (جس میں) رہنمائی کرنے والی اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی واضح نشانیاں ہیں۔''

رمضان کی ایک بابرکت رات میں اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر پورا قرآن کریم نازل فرمایا اور اس کے بعد حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوتا رہا اور تقریباً ۲۳ سال کے عرصہ میں قرآن کا نزول مکمل ہوا۔ قرآن کریم کے علاوہ تمام صحیفے بھی رمضان میں نازل ہوئے' جیسا کہ مسند احمد کی روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صُحفِ ابراہیمی اور تورات و انجیل سب کا نزول رمضان میں ہی ہوا ہے۔

نزولِ قرآن اور دیگر مقدس کتب وصحائف کے نزول میں فرق یہ ہے کہ دیگر کتابیں جس رسول پر نازل ہوئیں' وہ ایک ساتھ اور ایک ہی مرتبہ نازل ہوئیں' جبکہ قرآنِ کریم لوحِ محفوظ سے پہلے آسمان پر رمضان کی مبارک رات یعنی لیلۃ القدر میں یک بارگی نازل ہوا اور پھر تھوڑا تھوڑا حسبِ ضرورت نازل ہوتا رہا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝۱ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۝۲ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ۬ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۝۳﴾ (القدر)

''یقیناً ہم نے اتارا ہے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں۔ اور تم کیا جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا ہے! لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔''

سورۃ الدخان میں اس رات کا ذکر ''لَیۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ'' کے نام سے آیا ہے:

﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ (آیت ۳)

''یقیناً ہم نے نازل کیا ہے اس (قرآن) کو ایک مبارک رات میں۔''

حضور اکرم ﷺ کا رمضان المبارک میں تلاوتِ قرآن کا شغل نسبتاً زیادہ رکھنا' حضرت جبرائیل علیہ السلام کا رمضان المبارک میں نبی اکرم ﷺ کو قرآن کریم کا دور کرانا' تراویح میں ختمِ قرآن کا اہتمام کرنا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین رحمہم اللہ کا رمضان میں تلاوت کا خاص اہتمام کرنا' یہ سب امور اس خصوصیت کو ظاہر کرتے ہیں کہ رمضان اور قرآن کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ لہٰذا اس ماہ میں کثرت سے تلاوتِ قرآن میں مشغول رہنا چاہیے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ رمضان اور قرآن کا جسم اور روح کا سا تعلق ہے' رمضان جسم ہے تو قرآن کریم روح ہے۔

رمضان المبارک کے قرآن مجید کے ساتھ خاص ربط کا مظہر قیام اللیل ہے‘ جس کی مروّجہ صورت نمازِ تراویح ہے۔ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں ہمیشہ قیام اللیل فرماتے۔ اپنی حیاتِ طیبہ میں آپ ﷺ نے اسے رمضان المبارک کی چند راتوں میں مسجد میں باجماعت بھی ادا فرمایا‘ لیکن اس خیال سے اس پر مداومت نہیں کی کہ کہیں اُمّت پر واجب نہ ہو جائے اور پھر اُمّت کے لیے اس کو ادا کرنے میں مشقت ہو۔

عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ ؓ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ، وَصَلّٰى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا، فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ، فَصَلّٰى فَصَلَّوْا مَعَهُ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا، فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ، فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَصَلّٰى فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ، فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ حَتّٰى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ، فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ، ثُمَّ قَالَ:((أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا))(صحيح البخاری)

’’حضرت عروہؒ (حضرت عائشہؓ کے بھانجے) سے روایت ہے کہ انہیں حضرت عائشہ صدّیقہ ؓ نے بتایا کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ آدھی رات کے وقت باہر تشریف لے گئے اور مسجد میں نماز پڑھنے لگے اور کتنے ہی لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ صبح کے وقت لوگوں نے اس کا چرچا کیا تو دوسرے روز اور زیادہ لوگوں نے آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے چرچا کیا۔ چنانچہ مسجد میں حاضرین کی تعداد تیسری رات میں اور بڑھ گئی۔ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے نماز پڑھی تو لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب چوتھی رات آئی تو نمازی مسجد میں سما نہیں رہے تھے (لیکن رسول اللہ ﷺ ساری رات تشریف نہیں لائے) یہاں تک کہ آپ ﷺ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ جب نمازِ فجر پڑھ چکے تو لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: ’’تمہاری موجودگی مجھ سے پوشیدہ نہیں تھی‘ لیکن مَیں تم پر اس نماز کے فرض ہو جانے اور تمہارے اس سے عاجز آجانے سے ڈرا۔‘‘

بعد ازاں حضرات صحابہ کرام ؓ رمضان المبارک میں انفرادی طور پر اور چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں قیام اللیل کا اہتمام کرتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دورِ خلافت میں یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرات صحابہ ؓ کے مشورہ اور اجماع سے مساجد میں بیس رکعت باجماعت نمازِ تراویح کا اہتمام فرمایا۔ اُس وقت سے اب تک پورے عالمِ اسلام میں جمہور اُمّت کا اسی پر عمل ہے اور تمام ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی آج تک بیس رکعت کا معمول چلا آ رہا ہے۔ احناف کے نزدیک نمازِ تراویح سُنّت مؤکّدہ ہے اور اس میں پورے قرآن کریم کی ایک بار تکمیل سُنّت ہے۔ اس طرح رمضان میں نمازِ تراویح کی برکت سے خواندہ و ناخواندہ ہر مسلمان کم از کم ایک بار قرآن کریم سن لیتے ہیں اور پورے قرآن کریم کی حلاوت آمیز تلاوت سے زبانیں حظ اٹھاتی ہیں‘ سماعتیں معطر ہوتی ہیں اور مسلم بستیوں میں لاہوتی پیغام کی گونج سنائی دیتی ہے۔

مزید یہ کہ رات کو کھڑے ہو کر نماز کی حالت میں قرآن پڑھنے یا سننے سے دین کا صحیح فہم حاصل ہوتا ہے‘ اس پر ایمان مضبوط ہوتا ہے اور اس کے مطابق اپنی سیرت و کردار کو ڈھالنے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ ہم قرآن پڑھ یا سن رہے ہوتے ہیں تو اس میں سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ’’ہم نے سنا اور اطاعت کی‘‘ کا عزم بھی شامل ہوتا ہے۔

رمضان میں قیام اللیل کا بہت بڑا اجر ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ))
(صحیح البخاری)

’’جس نے رمضان میں بحالتِ ایمان ثواب کی نیت سے قیام کیا تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے گئے۔‘‘

اَسلاف کا رمضان میں تلاوتِ قرآن کا خاص اہتمام

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ اور تابعین و تبع تابعین ؒ رمضان المبارک میں قرآن کریم کے ساتھ خصوصی شغف رکھتے تھے۔ بعض اسلاف و اکابرین کے متعلق کتب میں تحریر ہے کہ وہ رمضان المبارک میں دیگر مصروفیات چھوڑ کر صرف اور صرف تلاوتِ

قرآن میں دن رات کا وافر حصہ صَرف کرتے تھے۔ مشہور فقیہ اور محدث امام مالک ؒ جنہوں نے حدیث کی مشہور کتاب ''موطا'' مرتب فرمائی' رمضان شروع ہونے پر حدیث پڑھنے پڑھانے کے سلسلہ کو موقوف کر کے دن رات کا اکثر حصہ تلاوتِ قرآن میں صَرف کرتے تھے۔ بعض حضرات ماہِ رمضان اور خاص طور پر آخری عشرہ میں تین دن یا ایک دن میں قرآن کریم مکمل فرماتے تھے۔ رمضان کے مبارک مہینہ میں تکمیلِ قرآن کریم کے اتنے واقعات کتب میں مذکور ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس ماہِ مبارک میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت قرآن کریم کی تلاوت میں صَرف کرنا چاہیے۔

ماہِ رمضان میں زیادہ سے زیادہ قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام اور خود کو قرآنی احکام و ہدایات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ رمضان المبارک قرآن کریم کو پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے کا مہینہ ہے۔ قرآن جیسے ہدایت نامہ کا نزول دنیائے انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام ہے' کیونکہ وہ انسان کو عظیم ترین کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ انسان کس طرح اپنی موجودہ زندگی بسر کرے کہ اُخروی زندگی میں ابدی کامیابی سے ہم کنار ہو سکے۔ لہٰذا اس ماہِ مبارک میں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت کا سب سے زیادہ تذکرہ کیا جائے۔ ماہِ رمضان کے بعد بھی تلاوتِ قرآن کا اہتمام کریں۔ نیز علماء کرام کی سرپرستی میں قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کریں۔ قرآن کریم میں وارد احکام و مسائل سمجھ کر اُن پر عمل کریں اور انہیں دوسروں تک بھی پہنچائیں۔

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء میں نمازِ تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کا سلسلہ شروع کیا تھا' جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرفِ قبول عطا ہوا۔ اب قرآن فہمی کا یہ سلسلہ ملک کے طول و عرض میں سینکڑوں مقامات پر جاری ہے۔

تلاوتِ قرآن کا اجرِ عظیم

اگر ہم قرآن کریم کے معنی و مفہوم کو سمجھ نہیں پا رہے' تب بھی ہمیں تلاوت ضرور کرنا چاہیے' کیونکہ قرآن کی تلاوت بھی مطلوب ہے اور یہ خود ایک مستقل عبادت ہے' خواہ تلاوت کرنے والا اس کا مفہوم سمجھے یا نہ سمجھے۔ ہاں اگر تلاوت کے ساتھ معنی و مفہوم بھی سمجھ رہا ہے تو یہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُوْلُ : الٓمّٓ حَرْفٌ ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ)) (رواه الترمذي والدارمي)

''جو شخص قرآن کا ایک حرف پڑھے گا تو اس کے لیے ہر حرف کے عوض ایک نیکی ہے جو دس نیکیوں کے برابر ہے (یعنی قرآن کے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں ملتی ہیں)۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے' بلکہ الف ایک حرف ہے' لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (یعنی الٓمّٓ کہنے میں تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔)''

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کو ٹھیک طرح سے پڑھنا نہیں جانتا اور سیکھتے ہوئے اٹک اٹک کر پڑھتا ہے تو اس کو اس مشقت کی وجہ سے دوہرا اجر ملتا ہے۔ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهٖ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقرآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ أَجْرَانِ))

(متفق علیه)

''جو شخص قرآن کے پڑھنے میں ماہر ہو' وہ معزز اور نیک کاتبوں (فرشتوں) کے ساتھ ہوگا' اور جو شخص قرآن کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہو اور اُسے پڑھنے میں مشقت ہوتی ہو تو اُس کو دوگنا ثواب ملتا ہے۔''

آیاتِ قرآنی اور تلاوتِ قرآن

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾﴾ (البقرہ)

''وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے' وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ وہی ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو اس کا کفر کرے گا تو وہی لوگ ہیں خسارے میں رہنے والے۔''

﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾﴾

(بنی اسرائیل)

''اور (اے نبی ﷺ!) قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے (کر کے نازل) کیا ہے' تا کہ آپ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں۔''

﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝٤﴾ (المزمل)

''اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتے جایئے۔''

احادیثِ مبارکہ اور تلاوتِ قرآن

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ ، فَسَمِعَهُ جَارٌ لَهُ فَقَالَ: لَيْتَنِي أُوْتِيْتُ مِثْلَ مَا أُوْتِيَ فُلَانٌ ، فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ. وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُهْلِكُهُ فِي الْحَقِّ ، فَقَالَ رَجُلٌ: لَيْتَنِي أُوْتِيْتُ مِثْلَ مَا أُوْتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ)) (متفق علیه)

''حسد (بمعنی رشک) تو صرف دو آدمیوں سے ہی کرنا جائز ہے۔ پہلا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن (پڑھنا و سمجھنا) سکھایا تو وہ رات اور دن کے اوقات میں (یعنی صبح و شام کثرت سے) اس کی تلاوت کرتا ہے۔ اس کا پڑوسی اُسے قرآن پڑھتے ہوئے سنتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے کہ کاش مجھے بھی اس کی مثل قرآن عطا کیا جاتا تو مَیں بھی اسی طرح عمل کرتا جس طرح یہ کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال بخشا ہے اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صَرف کرتا ہے۔ دوسرا شخص اُسے دیکھ کر کہتا ہے کہ کاش مجھے بھی اتنا مال ملتا جتنا اُسے ملا ہے تو مَیں بھی اسی طرح عمل کرتا جس طرح یہ کرتا ہے۔''

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُوْلُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ، مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ ، وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ))(رواہ احمد والطبرانی والحاکم)

''روزہ اور قرآن بندے کے لیے قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! مَیں نے اسے کھانے پینے اور خواہشِ نفس سے روکے رکھا' لہٰذا اس

کے لیے میری شفاعت قبول فرما۔ قرآن کہے گا: اے میرے رب! مَیں نے اسے رات کے وقت نیند سے روکے رکھا (اور قیام اللیل میں یہ مجھے پڑھتا یا سنتا رہا) لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔‘‘

ہمارے کرنے کا کام

سوچیں اور غور کریں کہ ہم رمضان المبارک میں قرآن کریم کی کتنی تلاوت کر رہے ہیں اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر کس قدر چل رہے ہیں۔ کیا ہم نے یہ منصوبہ بندی کی ہے کہ رمضان میں اپنی مصروفیات کو کم کر کے کس طرح رمضان گزارنا ہے؟ بہتر ہے کہ ہم اپنی مصروفیات اور معمولات میں قرآن کے لیے خاص طور سے وقت نکالیں اور قرآن کریم کی تلاوت سے اپنے ایمان کو تازہ کریں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَوْصِنِي؟ قَالَ:((أُوْصِيْکَ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَإِنَّهُ رَأْسُ الْأَمْرِ كُلِّهِ)) قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! زِدْنِي. قَالَ:((عَلَيْکَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ، فَإِنَّهُ نُوْرٌ لَکَ فِي الْأَرْضِ، وَذُخْرٌ لَکَ فِي السَّمَاءِ (رواه ابن حبان والطبراني والبيهقي)

یارسول اللہ! مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’مَیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ یہی سارے معاملے کی اصل ہے‘‘۔ مَیں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے کچھ مزید وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’(اے ابوذر!) تلاوتِ قرآن ضرور کیا کرو کہ یہ زمین میں تمہارے لیے نور اور آسمانوں میں تمہارے لیے (نیکیوں کا) ذخیرہ ہوگا۔‘‘

یہ بھی ضروری ہے کہ ہر مسلمان قرآن کریم کا کچھ نہ کچھ حصّہ یاد کرنے کی کوشش کرے۔ ہر روز ایک آیت کو اچھی طرح یاد کر لیا جائے تو اس بات کا امکان ہے کہ تیزی سے گزرتے وقت کے ساتھ قرآن کریم کا کافی حصّہ حفظ ہو جائے گا۔ اس رمضان المبارک میں روزانہ ایک یا چند آیات یا جو نصاب بھی آپ اپنے لیے منتخب کریں‘ حفظ کرنے کی کوشش کریں۔ یہ کوشش بھی ہونی

چاہیے کہ رمضان المبارک کے نورانی ماحول میں قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر پڑھنا یا سننا شروع کردیں اور جہاں کہیں کچھ اشکال یا پریشانی ہو تو اہلِ علم (علماء کرام) سے رجوع کریں۔

قرآن اکیڈمی کے زیرِ انتظام خط وکتابت کورس‘ فہمِ دین کورسز‘ فہم قرآن کلاس اور رمضان کی مبارک ساعتوں میں مختلف مساجد میں نمازِ تراویح کے ساتھ ہونے والے خلاصۂ قرآن یا ترجمہ وتفسیر قرآن میں شمولیت کر کے اپنے وقت کو قیمتی بنائیں۔ یاد رہے کہ ہم قرآن سیکھنے والے ہوں یا سکھانے والے‘ سننے والے ہوں یا سنانے والے‘ الغرض کسی نہ کسی صورت میں ہمارا قرآن سے مستقل تعلق برقرار رہے۔ بلاشبہ ایسے ہی لوگ صاحبِ فضیلت ہیں اور انہی کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)) (صحیح البخاری)

”تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔“

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس ماہِ رمضان کے فیوض وبرکات کو ہمارے لیے پورے سال پر محیط کردے۔ آمین یا ربّ العالمین! ۞۞۞

امت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآن کی جامع ترین سورت

سُورۃُ الحدید

(اُمُّ المُسَبِّحات) کی مختصر تشریح

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ علیہ

اشاعت خاص 500 روپے، اشاعت عام 300 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، 36۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون (042)35869501-03

فیکس: (042)35834000، ای میل maktaba@tanzeem.org

ویب سائٹ www.tanzeem.org

مؤمن کا قید خانہ

مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت‘ تنظیم اسلامی

اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا کو بہت خوبصورت بنایا ہے۔ گوناگوں طریقوں سے اسے سجایا ہے۔ خوب صورت آبشاریں ہیں۔ مختلف رنگ اور خوشبو کے پھول‘ ہر قسم کے پھل‘ طرح طرح کے میوہ جات جو انسان کے من کو بھاتے ہیں‘ اسے صحت مندانہ زندگی گزارنے میں مدد دیتے ہیں۔ بیمار ہو جائے تو علاج کے لیے ہر قسم کی جڑی بوٹیاں موجود ہیں۔ غرض انسان کی خواہشات کی بھرپور تسکین کا سامان اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے فراہم کر دیا ہے۔

اگر سونگھنے کا ذوق عطا فرمایا تو اس کی تسکین کے لیے طرح طرح کے خوشبودار پودے اور پھول پیدا کر دیے۔ زبان کا ذائقہ عطا کیا تو دُنیا کے دسترخوان پر ہر طرح کی سبزیاں‘ پھل‘ اناج اور میوے مہیا کر دیے۔ زمین کی سطح اگر پھلوں اور پھولوں سے لدی ہوئی ہے تو اس کی تہ میں میٹھے‘ صاف شفاف پانی کے سوتے پھوٹ رہے ہیں۔ زمین کی گہرائی میں سونا‘ چاندی‘ کوئلہ‘ تیل‘ گیس کے بے شمار ذخائر موجود ہیں۔ لیتھیم‘ یورینیم اور ریڈیم جیسی انتہائی قیمتی دھاتیں میسّر ہیں۔ سمندروں کی طرف نظر کریں تو سطح آب پر دیو ہیکل بحری بیڑے ہیں جن پر ہوائی جہاز اترتے اور چڑھتے ہیں‘ جبکہ تہ میں چھوٹی اور بڑی آبی مخلوق تیر رہی ہیں۔ سمندر کی تہ میں مرجان اور موتی نشوونما پا رہے ہیں۔ ہماری غذا کے لیے حیوانات کا دودھ اور گوشت‘ سواری کے لیے ان کی پیٹھ‘ حفاظت کے لیے ان کی پاسبانی‘ پہننے اور آرائش کے لیے ان کی کھالیں اور اون مہیا کر دی گئی ہیں۔

ان تمام نعمتوں (زیب وزینت‘ آرام و آسائش) کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے کہ بندہ دل و جان سے اللہ کا شکر ادا کرے۔ اس کا سر عجز و انکساری سے جھک جائے۔ خود بھی ان نعمتوں سے فائدہ اُٹھائے اور ناداروں کو بھی ان سے استفادہ کا موقع دے۔

درحقیقت اس دُنیا کو خوبصورت بنانے کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ذریعے سے انسان کو آزمایا جائے۔ دیکھا جائے کہ آیا وہ اس دُنیا میں آ کر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتا ہے یا

یہاں کی خوبصورتی اور آرام و آسائش میں گم ہو کر اپنے خالق کو بھول جاتا ہے اور اسی دُنیا کو اصل حقیقت سمجھ بیٹھتا ہے۔ سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا⑦﴾

''یقیناً ہم نے بنا دیا ہے جو کچھ زمین پر ہے اسے اس کا بناؤ سنگھار تاکہ انہیں ہم آزمائیں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل میں۔''

سورۃ الدھر میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا②﴾

''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے ملے جلے نطفے سے کہ اس کو آزمائیں' پھر ہم نے اس کو بنا دیا سننے والا' دیکھنے والا۔''

یعنی انسان کو مختلف حواس اور صلاحیتیں اس لیے عطا فرمائی گئیں تاکہ اس کی آزمائش ہو سکے۔ وہ اس دُنیا کے دھوکے میں نہ آئے۔ اس سے صرف ضرورت کی حد تک استفادہ کرے اور زندگی کے اصل مقصد کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝۵۶﴾ (الذّٰریٰت)

''اور مَیں نے نہیں پیدا کیا جِنّوں اور انسانوں کو مگر صرف اس لیے کہ وہ میری بندگی کریں۔''

دوسری طرف شیطان انسان کو دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ انسان اس دُنیا و مافیہا سے محبت کرنے لگتا ہے۔ یہاں کے آرام و آسائش اور نعمتوں کے حصول کو اپنی صلاحیتوں کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے دماغ میں خنّاس اور دل میں تکبّر آ جاتا ہے۔ وہ ان تمام نعمتوں سے محبت کرنے لگتا ہے جبکہ قرآن مجید کی رُو سے یہ سب چیزیں ''متاع'' یعنی برتنے کا سامان ہے۔ برتنے کا سامان محبت کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔

عربی زبان میں ''دُنیا'' کا مادہ ''د ن ی'' مانا جائے تو معانی ہیں: خسیس ہونا' کمینہ و ذلیل ہونا' بہت گھٹیا ہونا۔ اسی لیے اسے ''دنیائے دنی'' کہا جاتا ہے۔ یعنی آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں دُنیا و مافیہا بہت گھٹیا اور ادنیٰ درجے کی ہیں۔ اسی طرح آخرت کے عذاب کے مقابلے میں دُنیا کے مصائب و مشکلات بہت ہی کم ہیں۔ لفظ ''دُنیا'' کا مادہ ''د ن و'' سمجھا جائے تو دَنَا یَدْنُو دُنُوًّا کے معانی ہیں: کسی چیز کے قریب ہونا۔ دُنیا آخرت کے مقابلے میں قریب ترین ہے۔ یہ

جلد مل جانے والی شے ہے۔ دُنیا نقد ہے جبکہ آخرت تو ادھار کا سودا ہے۔ مولانا حالی کہتے ہیں ؎

دُنیائے دَنی کو نقش فانی سمجھو
رودادِ جہاں کو اک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا
ہر سانس کو عمرِ جاودانی سمجھو

دُنیا کی زیب و زینت کی کشش انسان کی کمزوری ہے۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾﴾

''مزیّن کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوباتِ دُنیا کی محبّت جیسے عورتیں اور بیٹے اور جمع کیے ہوئے خزانے سونے کے اور چاندی کے اور نشان زدہ گھوڑے اور مال مویشی اور کھیتی۔ یہ سب دُنیوی زندگی کا سروسامان ہے۔ لیکن اللہ ہی کے پاس ہے اچھا لوٹنا۔''

یعنی لوگوں کے لیے دل پسند چیزوں یعنی عورتوں (موجودہ دور میں فیشن اور فحاشی کو بھی شامل کر لیں)' بیٹوں' سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں' نشان زدہ گھوڑوں (دورِ حاضر میں ریس کے گھوڑے یا برانڈڈ ملبوسات اور جیولری)' چوپایوں (اعلیٰ نسل کے کتے' پولٹری/ ڈیری فارم وغیرہ) اور کھیتی (بڑے بڑے ایگری کلچرل فارمز) کی محبت دل کش بنا دی گئی ہے۔ یہ سب دُنیا کی زندگی کا سامان ہے جبکہ بہترین ٹھکانا اللہ ہی کے پاس ہے۔

انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ دُنیا کی ناپائیدار چیزوں کو ابدی سمجھ کر آخرت کی دائمی نعمتوں کو فراموش کر دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''آپ انہیں دو مَردوں کا قصہ سنائیں جن میں سے ایک شخص کو ہم نے انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے تھے' جن کے چاروں طرف ہم نے کھجوروں کے درختوں کی باڑ لگا دی تھی اور ان دونوں کے درمیان ہم نے کھیت پیدا کیے تھے۔ دونوں باغ خوب پھل لائے اور پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی' اور ہم نے ان کے درمیان ایک نہر رواں کر دی تھی۔ اُس شخص کے پاس پھل بھی تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا:

’’مَیں تم سے زیادہ مال دار ہوں اور میری افرادی قوت بھی زیادہ ہے۔‘‘ وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا اور کہنے لگا: ’’مجھے گمان نہیں کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا اور نہ مجھے اس پر یقین ہے کہ کبھی قیامت قائم ہوگی۔ اور اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو میں ضرور ان باغوں سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا‘‘۔ اُس کے ساتھی نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا: ’’کیا تم اُس ذات کا انکار کر رہے ہو جس نے تمہیں مٹی سے بنایا‘ پھر نطفہ سے‘ پھر تمہیں مکمل مرد بنایا۔ لیکن وہ اللہ ہی میرا ربّ ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤں گا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو کہتے: جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور اللہ کی مدد کے بغیر کسی کی کوئی طاقت نہیں۔ اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں مال اور اولاد میں تم سے کم ہوں‘ تو وہ دن دور نہیں کہ میرا رب مجھے تم سے بہتر باغ عطا فرمائے اور تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے تو وہ چٹیل چکنا میدان بن جائے یا اس کا پانی زمین میں دھنس جائے اور تم اسے ہرگز تلاش نہ کر سکو‘‘۔ اور اُس شخص کے پھل (عذاب میں) گھیر لیے گئے اور اُس نے اس باغ میں جو کچھ خرچ کیا تھا وہ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا۔ وہ باغ اپنی چھپریوں پر گرا پڑا تھا اور وہ شخص کہہ رہا تھا: ’’کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا‘‘۔ اور اس کے پاس کوئی جماعت نہیں تھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ ہی وہ بدلہ لینے کے قابل تھا۔ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں جو الحق ہے۔ وہی سب سے اچھا بدلہ دینے والا ہے اور اسی کے پاس بہترین انجام ہے۔ اور آپ ان کے سامنے دُنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجیے جیسے ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا تو اس کے سبب زمین کا ملا جلا سبزہ نکلا‘ پھر وہ سوکھ کر چورا چورا ہوگیا جس کو ہوا اُڑا دیتی ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ مال اور بیٹے تو دُنیا کی زندگی کی زینت ہیں‘ اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس از روئے ثواب اور امید کے بہت بہتر ہیں۔ (سورۃ الکہف: ۳۲ تا ۴۶)

مندرجہ بالا آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات انسان دُنیاوی مال و دولت اور شان و شوکت کو اللہ کی بارگاہ میں مقبولیت اور محبوبیت کا سبب سمجھ لیتا ہے۔ اس کے ذہن میں خنّاس سما جاتا ہے کہ اگر بالفرض قیامت قائم بھی ہوگئی تو وہاں بھی میرے وارے نیارے ہی ہوں گے‘ کیونکہ میں تو اللہ کا محبوب ہوں۔ وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے کہ مال‘ دولت اور اولاد تو دُنیاوی زندگی کی زینت اور امتحان ہیں۔ سورۃ التغابن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۱۵﴾

''تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو تمہارے لیے امتحان ہیں۔ اور اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔''

نیز کوئی یہ بھی نہ سمجھے کہ کسی کا نادار ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۲﴾

''اور ان (نادار مسلمان) کو (اپنے سے) دُور نہ کیجیے جو صبح و شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اُس کو پکارتے رہتے ہیں۔ ان کا حساب بالکل آپ کے ذِمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرِمُو ان کے ذِمہ نہیں ہے، پس اگر آپ نے ان کو دُور کر دیا تو آپ کے لیے یہ کام انصاف سے بعید ہوگا۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''بہت سے افراد ایسے ہیں کہ پراگندہ حال نظر آئیں گے، لوگ انہیں اپنے دروازوں سے دھتکار دیں گے، (لیکن اللہ کی بارگاہ میں ان کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ) اگر وہ اللہ کی قسم کھا کر کوئی بات کہہ دیں تو اللہ انہیں اپنی قسم میں سچا ثابت فرماتا ہے۔'' (صحیح مسلم)

مصعب بن سعدؒ بیان فرماتے ہیں کہ ان کے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے گمان کیا کہ انہیں (شجاعت اور سخاوت کی وجہ سے) اپنے سے کمتر لوگوں پر فضیلت حاصل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''تمہیں جو نصرتِ الٰہی اور رزق کی کشادگی ملتی ہے تو یہ کمزوروں کی دعاؤں کی برکت سے ملتی ہے۔'' (صحیح مسلم)

بعض اوقات انسان اپنے سے برتر لوگوں کو دیکھ کر احساسِ محرومی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی مال اور صورت و شکل میں اپنے سے بہتر کو دیکھے تو وہ اپنے سے کم تر لوگوں پر نظر ڈالے تاکہ وہ اللہ کا شکر گزار بندہ بن سکے۔'' (صحیح البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اپنے

سے کم تر لوگوں کو نظر میں رکھو' اپنے سے برتر لوگوں کو للچائی ہوئی نظروں سے مت دیکھو' اس طرح تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بے قدری سے محفوظ رہو گے۔'' (صحیح مسلم)

حضرت سہیل بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص کا گزر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا: ''تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہو؟'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یہ شخص اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دے تو اسے قبول کیا جائے۔ اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش مانی جائے۔ اگر یہ کوئی بات کرے تو اس کی بات توجہ سے سنی جائے۔ حضرت سہیلؓ کہتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ پھر فقراءِ مسلمین میں سے ایک شخص کا وہاں سے گزر ہوا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا: ''اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یہ شخص اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دے تو اس کا نکاح نہ کیا جائے۔ اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے۔ اگر یہ کوئی بات کرے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(تھوڑی دیر پہلے جس شخص کی تم تعریف کر رہے تھے) اگر اُس جیسے لوگوں سے زمین بھر جائے تب بھی یہ ایک شخص اُن سب سے بہتر ہے۔'' (صحیح البخاری)

دُنیاوی زیب و زینت کے بے وقعت ہونے اور نیک اعمال کے نفع بخش ہونے کی مثال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الرعد میں فرماتا ہے:

﴿اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِیَۃٌۢ بِقَدَرِہَا فَاحۡتَمَلَ السَّیۡلُ زَبَدًا رَّابِیًا ؕ وَ مِمَّا یُوۡقِدُوۡنَ عَلَیۡہِ فِی النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡیَۃٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُہٗ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡحَقَّ وَ الۡبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذۡہَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ ﴿ؕ۱۷﴾﴾

''وہ آسمان سے پانی برساتا ہے' پھر تمام ندیاں بہنے لگتی ہیں اپنی اپنی وسعت کے مطابق' پھر اُٹھا لاتا ہے سیلاب اُبھرتے جھاگ کو۔ اور جن (دھاتوں) کو یہ لوگ آگ پر تپاتے ہیں زیور یا دوسری چیزیں بنانے کے لیے اُن پر بھی اسی طرح کا جھاگ اُبھرتا ہے۔ اسی طرح اللہ حق و باطل کو ٹکراتا ہے۔ رہا جھاگ تو وہ (بے فیض ہونے کے سبب) بھک سے اڑ جاتا ہے' اور جو چیز انسانوں کو نفع پہنچائے تو اُسے زمین میں قرار ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح (چشمِ بصیرت کھولنے کے لیے) مثالیں بیان فرماتا ہے۔''

سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ﴾

’’اے اہلِ ایمان! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہر شخص سوچ لے کہ کل (صبح قیامت) کے لیے وہ کیا آگے بھیج رہا ہے! اور اللہ سے ڈرتے رہو‘ بے شک اللہ تمہارے کرتوتوں سے خوب باخبر ہے۔‘‘

ہمیں یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ دُنیا کی زندگی بہت مختصر ہے۔ جیسے رات کو سوئے‘ صبح آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ قیامت کا دن ہے۔ لہٰذا کل صبح تمہارے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے‘ اس کے لیے ہر وقت فکرمند رہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ))

’’دُنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم اجنبی ہو یا راستہ عبور کرنے والا مسافر۔‘‘

یعنی اسے اپنی مستقل قرارگاہ نہ سمجھو۔ پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: ’’جب تم شام کرلو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب تم صبح کرو تو شام کا انتظار نہ کرو‘ اور اپنی تندرستی کے زمانے میں اپنی (ممکنہ) بیماری کے لیے کچھ پس انداز کر کے رکھو‘ اور اپنی حیات سے اپنی موت (یعنی عاقبت) کے لیے کچھ تیاری کر کے رکھو۔‘‘ (صحیح البخاری)

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَا الدُّنيَا فِي الآخِرَةِ الَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُم اصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ، فَلْيَنظُرْ بِمَ يَرْجِعُ!)) (مسلم)

’’دُنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے کہ جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس پر لگ کر آئی ہے۔‘‘

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ)) (رواه مسلم)

’’دُنیا مؤمن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔‘‘

درج بالا حدیث دُنیا اور آخرت پر ایک اور زاویے سے روشنی ڈال رہی ہے۔ قید خانہ کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ وہاں قیدی اپنی زندگی میں آزاد نہیں ہوتا‘ بلکہ کھانے پینے‘ سونے جاگنے‘

اٹھنے بیٹھنے غرض ہر معاملہ میں جیل کے داروغہ کے حکم کی پابندی کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ قید خانہ میں اپنی مرضی بالکل نہیں چلتی بلکہ جیلر کے حکم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ قید خانہ کا دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ قیدی یہاں جی نہیں لگاتا اور اس کو اپنا گھر نہیں سمجھتا بلکہ ہر وقت وہاں سے نکلنے کا خواہش مند رہتا ہے۔ اس کے برعکس جنت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں متقیوں کے لیے کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ ہر جنتی اپنی مرضی کی زندگی گزارے گا اور اس کی ہر خواہش اور تمنا پوری ہوگی۔

یہ حدیث ہمارے لیے ایک آئینہ ہے جس میں ہر مؤمن اپنا جائزہ لے سکتا ہے۔ اگر اس کے دل کا تعلق اس دُنیا کے ساتھ ایک قیدی کا سا ہوتا ہے تو وہ مؤمن ہے' لیکن اگر اس نے اس دُنیا ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنالیا ہے تو اس کا یہ حال کافرانہ ہے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ دُنْيَاهُ اَضَرَّ بِآخِرَتِهِ، وَمَنْ اَحَبَّ آخِرَتَهُ اَضَرَّ بِدُنْيَاهُ، فَآثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى)) (مسند احمد:۱۹۹۳۳)

''جس نے اپنی دُنیا سے محبت کی اُس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا' اور جس نے اپنی آخرت کو پسند کیا اُس نے اپنی دُنیا کو نقصان پہنچایا۔ پس تم باقی رہنے والی چیز کو فنا ہونے والی چیز پر ترجیح دو!''

جو شخص دُنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا' اس کی اصل فکر و سعی دُنیا ہی کے لیے ہوگی۔ آخرت کو یا تو وہ بالکل ہی پسِ پشت ڈال دے گا یا اس کے لیے بہت کم جِدّ وجُہد کرے گا جس کا نتیجہ بہر حال آخرت کا خسارہ ہوگا۔ یہی بات سورۃ الکہف میں بھی فرمائی گئی ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾﴾

''(اے نبی ﷺ!) آپ فرما دیجیے: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ دُنیوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی اور یہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔''

دوسری طرف جو شخص آخرت کو مطلوب و محبوب بنائے گا اس کی اصل فکر و سعی آخرت کے لیے ہوگی۔ وہ دُنیا کے لیے ضرورت سے زیادہ جدوجہد نہیں کر سکے گا اور یوں اپنی دُنیا کا نقصان کرے گا۔ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ، مَلْعُوْنٌ مَا فِیْھَا، اِلَّا ذِکْرَ اللّٰہِ تَعَالٰی، وَمَا وَالَاہُ، وَعَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا)) (سنن الترمذی:۲۳۲۲)

’’خبردار! دُنیا اور جو کچھ دُنیا میں ہے اس پر خدا کی پھٹکار ہے سوائے خدا کی یاد کے اور ان چیزوں کے جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے اور سوائے عالم اور متعلّم کے۔‘‘

یعنی اس دُنیا میں صرف وہی چیزیں اور اعمال اللہ کی رحمت کے لائق ہیں جن کا اللہ تعالیٰ سے اور دین سے کوئی تعلق ہو۔ برخلاف اس کے جو چیزیں اور اعمال اللہ تعالیٰ اور دین سے بے تعلق ہیں (اور دراصل دُنیا ان ہی کا نام ہے) وہ سب اللہ کی رحمت سے محروم اور قابلِ لعنت ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں؟‘‘ عرض کیا گیا: حضرت! ایسا تو نہیں ہوسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اسی طرح دُنیادار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔‘‘ (رواہ البیہقی شعب الایمان)

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو دُنیا سے اس کو اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے مریض سے پانی پرہیز کراتا ہے جبکہ اس کو پانی سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔‘‘ (رواہ البخاری)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اپنے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا: ’’سن لو اور یاد رکھو کہ دُنیا ایک عارضی اور وقتی سودا ہے جو فی الوقت حاضر اور نقد ہے (اور اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اسی لیے) اس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے اور سب اس سے کھاتے ہیں۔ اور یقین کرو آخرت مقررہ وقت پر آنے والی ایک سچی اٹل حقیقت ہے اور مکمل قدر و قیمت رکھنے والا شہنشاہ اس میں (لوگوں کے اعمال کے مطابق) جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔ یاد رکھو کہ ساری خیر' خوش گواری اور اس کی تمام قسمیں جنت میں ہیں اور سارا شر' دکھ اور اس کی تمام قسمیں دوزخ میں ہیں۔ پس خبردار! (جو کچھ کرو) اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو (اور ہر عمل کے وقت آخرت کے انجام کو پیش نظر رکھو) اور یقین کرو کہ تم اپنے اعمال کے ساتھ اللہ کے حضور میں پیش کیے جاؤ گے۔ پس جس شخص نے ذرہ برابر بھی کوئی نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی کوئی برائی کی ہوگی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔‘‘

حُبِّ دُنیا کا علاج

حُبِّ دُنیا کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ انسانی نفس کو آرام، آسائش و آرائش بہت محبوب ہیں۔ دوسری یہ کہ انسانی نفس چاہتا ہے کہ اس کے آرام و آسائش اور نعمتوں میں کمی نہ ہو، کبھی کوئی تکلیف یا پریشانی نہ ہو۔ اس کی یہ نعمتیں اسے مستقل ملتی رہیں۔ لہٰذا انسان کو اپنے نفس کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ دونوں اعتبارات سے یہ دُنیا ناقص ہے۔ نعمتوں کا دوام صرف جنت ہی میں ہوسکتا ہے اور خوبی کے اعتبار سے بھی جنت ہی کی نعمتیں زیادہ افضل ہیں۔ اس کے لیے انسان کو لازماً مجاہدہ کرنا پڑے گا۔

علاوہ ازیں درج ذیل اعمال بھی دُنیا کی محبت کو کم کرنے میں مددگار رہوں گے:

(۱) انفاق: بنیادی ضروریات سے زیادہ مال و اسباب اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا انفاق کا وہ درجہ ہے جس کا پسندیدہ ہونا شرعاً بھی ثابت ہے۔ تاہم حُب دُنیا کے علاج کے لیے اسے لازماً سمجھنا چاہیے۔ اس سے بھی بڑھ کر ہر وہ زائد از ضرورت چیز فوری طور پر کسی مستحق کو دے دی جائے جس کی طرف نفس میں رغبت پائی جاتی ہو۔

(۲) دنیا سے بے رغبتی: اپنی ذات کے لیے دنیا سے بقدرِ ضرورت حصہ لیتے ہوئے اہل خانہ کو بھی اسی طرزِ عمل کی تلقین کی جائے۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خواہش مند اولاد پر زادِ راہ اور زادِ آخرت کا فرق واضح کیا جائے۔ اولاد سے اس طرح گفتگو نہ کریں کہ تمہیں لازماً ڈاکٹر بننا ہے یا انجینئر، بلکہ ان کے مستقبل کے بارے میں یوں گفتگو کریں کہ تمہیں لازماً ہر حال میں مسنون زندگی گزارنی ہے خواہ اس کا نتیجہ دنیاوی تنگی ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) موت کی یاد: قبر کا دھیان اور عبرت کے حصول کے لیے قبرستان میں باقاعدگی سے جانا۔

(۴) ہر جمعہ کو سورۃ الکھف کا ترجمہ وتفسیر کے ساتھ بغور مطالعہ خصوصاً اس کا پہلا اور آخری رکوع۔

محترم رفقائے گرامی! آیئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں آخرت کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور دُنیا و مافیہا کی محبت ہمارے دلوں سے نکال دے۔ آمین یا ربّ العالمین!

❀❀❀

حفظِ قرآن اور ہمارا طرزِ عمل

حافظ محمد اسد ☆

قرآن کریم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے‘ جو تمام کلاموں پر فضیلت رکھتا ہے۔ اس کا حفظ ہو جانا کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔ آج کے اِس پُرفتن دور میں بھی حفظ کروانے کا رجحان بڑھ رہا ہے جو یقیناً ایک مثبت قدم ہے۔ آپ کو تقریباً ہر خاندان میں حافظِ قرآن بچے اور بچیاں ضرور ملیں گے۔ بیشک یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کی حکمت کا مظہر ہے۔ قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے لی ہے۔ چناں چہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾﴾ (الحجر)

’’بیشک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم خود ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔‘‘

اس کی تشریح میں مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اگرچہ قرآن کریم سے پہلے بھی آسمانی کتابیں بھیجی گئی تھیں‘ لیکن چونکہ وہ خاص خاص قوموں اور خاص خاص زمانوں کے لیے آئی تھیں‘ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کو قیامت تک محفوظ رکھنے کی کوئی ضمانت نہیں دی تھی‘ بلکہ اُن کی حفاظت کا کام انہی لوگوں کو سونپ دیا گیا تھا جو اُن کے مخاطب تھے‘ جیسا کہ سورۃ المائدۃ‘ آیت ۴۴ میں فرمایا گیا ہے۔ لیکن قرآن کریم چونکہ آخری آسمانی کتاب ہے جو قیامت تک کے لیے نافذ العمل رہے گی‘ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے‘ چنانچہ اس میں قیامت تک کوئی ردّوبدل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اس طرح فرمائی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے سینوں میں اسے اس طرح محفوظ کر دیا ہے

☆ استاذ قرآن اکیڈمی‘ یٰسین آباد‘ کراچی

کہ اگر بالفرض کوئی دشمن قرآن کریم کے سارے نسخے (معاذ اللہ) ختم کر دے تب بھی چھوٹے چھوٹے بچے اسے دوبارہ کسی معمولی تبدیلی کے بغیر لکھوا سکتے ہیں‘ جو بذاتِ خود قرآن کریم کا زندہ معجزہ ہے۔‘‘ (آسان ترجمہ قرآن‘ از مفتی تقی عثمانی صاحب)

حفظِ قرآن کی فضیلت

بچوں کو قرآن کریم حفظ کروانا یقیناً ایک عظیم سعادت ہے اور اس پر ملنے والا اجر جس کی خبر الصادق المصدوق جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے‘ ہمارے لیے باعثِ شرف ہے۔ ذیل میں دو احادیث مبارکہ جو فضائل ’’حفظِ قرآن‘‘ کے حوالے سے بیان کی جاتی ہیں‘ ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ ، فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهٰذَا؟)) [سنن ابي داؤد: ۱۴۵۳]

’’جس نے قرآن پڑھا اور اس کی تعلیمات پر عمل کیا تو اُس کے والدین کو قیامت کے روز ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی چمک سورج کی اُس روشنی سے بھی زیادہ ہوگی جو تمہارے گھروں میں ہوتی اگر وہ تمہارے درمیان ہوتا۔ (پھر جب اُس کے ماں باپ کا یہ درجہ ہے) تو خیال کرو خود اس شخص کا جس نے قرآن پر عمل کیا‘ کیا درجہ ہوگا!‘‘

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُ بِهَا)) [سنن الترمذي: ۲۹۱۴ ومسند احمد: ۲۸۹۹ وابوداؤد: ۱۴۶۴ والنسائي الكبرىٰ: ۸۰۵۶ وصحيح ابن حبان: ۱۷۹۰]

”(قیامت کے دن) صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا: (قرآن) پڑھتا جا اور (بلندی کی طرف) چڑھتا جا۔ اور ویسے ہی ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کے ساتھ پڑھتا تھا۔ پس تیری منزل وہ ہوگی جہاں تیری آخری آیت کی تلاوت ختم ہوگی۔“

ان روایات کے پیش نظر دینی مزاج کے حامل اکثر افراد کا ذہن بنتا ہے کہ ہمارا کوئی ایک بچہ کم از کم حفظِ قرآن کی تکمیل کرے تا کہ ہم ان فضائل کا مصداق بن سکیں۔ اس مزاج کے لوگ اس نکتے پر توجہ نہیں دیتے کہ یہ بشارت اُن حفاظ کرام کے لیے ہے جنہوں نے قرآن پر عمل بھی کیا ہو اور زندگی بھر اسے محفوظ بھی رکھا ہو۔ اس اہم بات کو نظرانداز کرنے کی اصل وجہ دین کی روح کو نہ سمجھنا اور علماء کرام کی صحبت سے دوری ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ معاشرے کے وہ افراد جو بظاہر کسی درجے میں دین دار سمجھے جاتے ہیں' ان کے گھرانوں میں بھی (حفظ کے دوران) بچوں' بچیوں کو وہ دینی ماحول میسّر نہیں ہوتا جو اس کام کے لیے مطلوب ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ سارا دن قرآن پڑھنے پڑھانے والے بچّے جب گھروں میں داخل ہوتے ہیں تو ڈرامے' فلمیں اور گانے باجے والا ماحول پاتے ہیں۔ اس طرح کا ماحول اُن کی دن بھر کی محنت اور روحانیت کے اثرات کو یک دم ختم کر کے رکھ دیتا ہے۔ والدین شاید یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب وہ جنّتی ہو چکے ہیں کیونکہ ان کے بچے نے حفظ کرنا شروع کر دیا ہے' لہٰذا جو چاہو کرو۔ یاد رکھیں یہ وہ شدید دھوکا ہے جو شیطان نے ان کے دلوں میں مزین کر دیا ہے۔

حافظِ قرآن کی شفاعت

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَاسْتَظْهَرَهُ ، فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ)) [سنن الترمذي: ۲۹۰۵]

''جس نے قرآن پڑھا اور اسے پوری طرح حفظ کر لیا' پھر جس چیز کو قرآن نے حلال ٹھہرایا اُسے حلال جانا اور جس چیز کو قرآن نے حرام ٹھہرایا اسے حرام سمجھا تو اللہ اسے اس قرآن کے ذریعہ جنت میں داخل فرمائے گا' اور اُس کے خاندان کے دس ایسے لوگوں کے بارے میں اُس کی سفارش قبول کرے گا جن پر جہنّم واجب ہو چکی ہوگی۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ جب خود حافظِ قرآن کے لیے نجات کا باعث یہی ہے کہ عمل قرآن کے عین مطابق کرتا ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جو اُس کی پیدائش کا ذریعہ بنے ہیں یا اسے

مدرسے تک پہچانے والے ہیں' اُن کے لیے حلال وحرام کا فرق ختم ہو جائے۔ کیا یہ ممکن ہے؟ کیا شریعت اُن کے لیے اب مَن چاہی ہو جائے گی کہ جو جی میں آئے کرتے چلے جاؤ۔ یہ صرف خودفریبی ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں جہنم واجب ہونے کے باوجود نجات ملنے سے مراد یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان فاسق یا گناہ گار ہونے کے سبب جہنم میں ڈالے جانے والا ہو تو صاحبِ قرآن کو اعزاز واکرام کے طور پر یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ اس بندے کی سفارش کر دے۔

بنابریں حفاظ کرام کے والدین کو چاہیے کہ اپنی اور بچوں کی آخرت کی فکر کے ساتھ ساتھ اپنے گھر کا ماحول دینی مزاج کے مطابق بنائیں۔ خاص طور پر میڈیا اور موبائل کے بے روک ٹوک استعمال سے خود بھی باز رہیں اور بچوں کو بھی استعمال نہ کرنے دیں۔ یاد رکھیں بچے جو کچھ بڑوں کو کرتا ہوا دیکھتے ہیں' وہی کرتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ آپ خود نیک نہ بنیں اور بچوں سے اُمید رکھیں کہ وہ نیک بن جائیں۔

حفظ کو برقرار رکھنا

اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ حفظِ قرآن کے بعد اس کی بلاناغہ تلاوت اور اس کو یاد رکھنے کی فکر سے کبھی بے توجہی نہ برتی جائے۔ اس لیے کہ قرآن مجید خدائے بے نیاز کا کلام ہے۔ اس کے یاد رکھنے میں بے نیازی برتی گئی تو اس کی غیرت یہ برداشت نہیں کرتی کہ ایسے سینہ میں محفوظ رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ الإِبِلِ المُعَقَّلَةِ، إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ)) [متفق عليه]

"حافظِ قرآن کی مثال رسّی سے بندھے ہوئے اونٹ جیسی ہے' اگر اُس نے اس کی نگہداشت کی تو وہ اسے قابو میں رکھے گا' اور اگر اسے چھوڑ دے گا تو وہ چلا جائے گا۔"

علماء کرام نے لکھا ہے کہ اونٹ جانوروں میں سب سے زیادہ حسّاس جانور ہے۔ اگر وہ محسوس کر لیتا ہے کہ اُس کا مالک اُس کے ساتھ بے رخی اور بے اعتنائی برت رہا ہے' اس کے چارے کے انتظام میں غفلت سے کام لے رہا ہے تو اس اونٹ کی غیرت اس کو برداشت نہیں

کرتی اور وہ موقع پاتے ہی مالک کے گھر سے نکل جاتا ہے اور دوبارہ اس جانب رخ نہیں کرتا۔ اسی طرح قرآن مجید بھی بہت حسّاس اور غیرت والا کلام ہے۔ اگر حافظِ قرآن اس کو یاد کرنے میں تساہلی اور سستی سے کام لیتا ہے تو قرآن بھی حافظِ قرآن کے دل سے نکل جاتا ہے اور اونٹ ہی کی طرح دوبارہ لوٹ کر نہیں آتا۔

حضرت زرارہ بن اوفیؒ حضرت ابن عباس ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے محبوب عمل کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ((الحالّ المرتحل)) (سنن الترمذی: ۲۹۴۸) یعنی ''وہ قرآن کریم ختم کرنے والا شخص جو فوراً شروع بھی کر دینے والا ہو (اُس کا یہ عمل اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہے۔'' چنانچہ حافظِ قرآن تو ایسا مسافر ہے جس کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے اس حدیث کی روشنی میں اپنے دورِ خلافت میں اس چیز کو حافظ کے لیے لازم کیا کہ رمضان میں ختمِ قرآن کے دن انیسویں رکعت میں قرآن مکمل کر لے اور بیسویں رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات أولئك هم المفلحون تک پڑھ کر بیسویں رکعت مکمل کرے' تاکہ اس حدیث کے مقتضی پر عمل ہو سکے۔

والدین کی ذمہ داری

ہمارے ہاں عام طور پر تکمیل قرآن کے فوراً بعد حفاظ بچوں کے ساتھ والدین اور گھر والوں کا رویہ درست نہیں ہوتا اور وہ چاہتے ہیں کہ اب یہ بچّہ اپنا پورا وقت عصری تعلیم کے حصول میں لگائے۔ یہ رویہ بچّے کو قرآن سے دور کرنے کا باعث بنتا ہے۔ بچّے کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ وہ دو تین سال حفظِ قرآن میں لگا کر دُنیوی تعلیم میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گیا ہے۔ اس رویہ سے یوں محسوس ہوتا ہے گویا حفظِ قرآن کوئی ہلکی بات ہے' جبکہ قرآن مجید کو حفظ کرنا اور اس کے علم سے آراستہ ہونا دنیا کی بہترین پونجی اور انسان کی نہایت قیمتی متاع ہے۔ جس وقت لوگ درہم و دینار کو پا کر خوش ہو رہے ہوتے ہیں اور اسے سنبھال کر رکھتے ہیں اس وقت قرآن مجید کا حافظ و قاری اس سے بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والے سرمایۂ حیات سے اپنے دامنِ مراد کو بھرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ صُفّہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

''تم میں سے کس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ ہر دن صبح کو وادیٔ بُطحان یا وادیٔ عقیق کی طرف

جائے اور وہاں سے دو بلند کوہان والی اونٹنیوں کے ساتھ واپس آئے جنہیں اُس نے کسی گناہ اور قطع رحمی کے بغیر حاصل کیا ہو؟'' صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم سب اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص صبح مسجد میں جائے اور وہاں قرآن کی دو آیتیں سیکھے یا دو آیات کی تلاوت کرے' یہ اُس کے لیے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ قرآن کی تین آیتیں تین اونٹنیوں سے اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور اتنے ہی اونٹوں سے بہتر ہیں۔'' (صحیح مسلم)

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اونٹ اُس زمانے میں عربوں کے لیے سب سے قیمتی مال تھا۔

دنیاوی تعلیم بچوں کو ضرور دیں' اس کی اہمیت سے انکار نہیں' لیکن اُن کی تربیت اس انداز میں ہونی چاہیے کہ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کا معمول ہمیشہ رہے اور دنیا کے تمام علوم پر ''کلام اللہ'' کو ترجیح دی جائے۔ ہمارے ایک حافظِ قرآن دوست نے بتایا (جو بال بچوں والے ہو چکے ہیں) کہ اُن کی والدہ محترمہ اب بھی انہیں اُس وقت تک سونے نہیں دیتیں جب تک ایک سپارہ سن نہ لیں۔ والدین اس طرح تربیت کریں گے تو ضرور بالضرور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہاں اجرِ عظیم کے مستحق ہوں گے۔ خدانخواستہ اگر معاملہ اس کے برعکس رہا' یا والدین ہی اس کے بھلا دیے جانے کا سبب بن گئے تو کل یہی حافظِ قرآن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گا اور ان والدین کی شکایت کرے گا کہ اے ربّ! مجھے تو پڑھنے کا شوق تھا مگر والدین نے نہیں پڑھنے دیا' اور میری تربیت ہی اس طرح نہیں کی کہ اس کی فکر کرتا۔ لہٰذا ان سے بھی باز پرس کیجیے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس وقت سے ہمیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

حافظِ قرآن کی تکریم

حافظِ قرآن کی اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہو گی کہ جناب نبی اکرم ﷺ خود سب سے پہلے حافظِ قرآن تھے۔ آپ ﷺ حافظِ قرآن صحابہؓ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور بہت سے امور میں ان کو فوقیت اور ترجیح دیتے تھے۔ جن اصحابؓ کو قرآن زیادہ یاد ہوتا' سفر میں اور گاؤں یا قبیلہ کی مسجد میں ان کو امامت کے لیے متعین کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنی مبارک مجلس میں ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص بندے ہوتے ہیں....'' آپ ﷺ کے اس ارشاد پر صحابہ کرام ؓ متوجّہ ہوئے اور اشتیاق وتجسّس کے

ساتھ سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حافظِ قرآن! ان کا بڑا مقام ہے اور یہ لوگ اہل اللہ اور خاصانِ خدا ہیں۔'' (سنن ابن ماجہ)

اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں بوڑھے مسلمان کا اکرام کرنا' اُس حافظِ قرآن کا اکرام کرنا جو اِفراط و تفریط سے خالی ہو اور عادل بادشاہ کا اکرام کرنا ہے۔'' (ابوداوٗد)

جس نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا اُس کا یہ حق ہے کہ اُس کی تکریم اور عزّت افزائی کی جائے۔ نماز جو اسلام کا اہم ترین رکن ہے' اس کی امامت کا سب سے زیادہ مستحق حافظِ قرآن ہے۔ ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قوم کی امامت وہ شخص کرے جو اللہ کی کتاب کا سب سے زیادہ پڑھنے والا (یعنی علومِ قرآن کا ماہر) ہو.....'' (صحیح مسلم)

حافظِ قرآن کی عزّت وتوقیر کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح حفظ کرنے والے بچوں کے والدین کو چاہیے کہ اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور اُن کے حفظِ قرآن کو برقرار رکھنے کے لیے اُن کی صحیح رہنمائی کریں۔ خود اُن سے قرآن کی سماعت کا اہتمام کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ اگر ایسے ماحول کے ساتھ وہ دنیاوی علوم میں بھی مہارت حاصل کرنے کے لیے خوب سے خوب تر کی کوشش کریں تو کوئی حرج نہیں۔ یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ فی زمانہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ حافظِ قرآن اور عالمِ دین' دعوت وتبلیغ کی جِدّ وجُہد میں معاشرے کی اصلاح کے لیے زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہمارے اکثر مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم اور جدید طرز پر حصولِ علم کے کئی شعبہ جات قائم کیے جا رہے ہیں۔

صرف دو آدمی قابلِ رشک ہیں!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَتَيْنِ: رجلٌ آتاه اللّٰهُ مالًا فهو يُنفِقُ منه آناءَ اللَّيلِ وآناءَ النهارِ، ورجلٌ آتاه اللّٰهُ القرآنَ فهو يقومُ به آناءَ اللَّيلِ وآناءَ النهارِ)) [متفق عليه]

''حسد (بمعنی رشک) صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔ ایک تو یہ کہ کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ

مال عطا کرے اور وہ دن رات اسے (وجوہِ خیر میں) خرچ کرتا رہے۔ اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ قرآن سے نوازے اور وہ دن رات اس (کی تلاوت اور تعلیم وتدریس) میں لگا رہے۔"

حسد ایک قبیح عمل ہے لیکن حقیقی رشک اور محمود و مستحسن حسد اُس شخص سے کیا جا سکتا ہے جس نے قرآن مجید کو یاد کر لیا اور اس کے حق کی ادائیگی کی' جیسا کہ اس روایت میں فرمایا گیا۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر توجہ دلانا مطلوب ہے کہ اپنے نونہالوں کے حفظِ قرآن ہی کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ اُن کی تربیت اور اخلاق کی درستی کے لیے ہمہ وقت فکرمند رہا جائے' تاکہ وہ بشارتیں جو جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہیں' ہمیں ان کا مصداق بننے کی سعادت حاصل ہو اور روزِ محشر ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی ہمارا مقدر رہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کا صحیح فہم اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی فکر انگیز تالیفات

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج اور لوازم

منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ

مجلد 750 روپے، غیر مجلد 500 روپے

سیرتِ مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

سیرتِ خیرُ الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

صفحات 240، قیمت 500 روپے

رحمتِ حق کی ارزانی

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اور بے مثال ہے۔ اس کی لاتعداد صفات ہیں اور ہر صفت بے مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق ہے اور مخلوق کا ہر فرد اُس کا بندہ ہے۔ خالقِ کائنات ایک وقتِ معیّن پر اس کو موت دے کر اس کے عرصہ حیات کو ختم کر دیتا ہے۔ پوری کائنات بھی ایک دن فنا ہو جائے گی' اُس کو قیامت کا دن کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی طرح صفتِ رحمت بھی بے پایاں ہے۔ اُس کی رحمت سے کوئی بھی بے نیاز نہیں۔ اُس کی رحمت کا مظاہرہ ہر سو موجود ہے اور نظر آ رہا ہے۔ اس کے کئی کام ایسے ہیں جن کا وقوع انسانی سمجھ سے بالاتر ہے' تاہم اُس کا کوئی کام رحمت اور حکمت سے خالی نہیں۔ یہ بات ذرا سے غور و فکر کرنے سے کسی حد تک سمجھی جا سکتی ہے۔ وہ عقلِ کل ہے' اُس کا کوئی کام بے فائدہ نہیں۔ قرآن مجید میں ''اولوا الالباب'' کی دعا کے الفاظ نقل ہوئے ہیں: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ (آل عمران:۱۹۱) ''پروردگار! تُو نے یہ سب بیکار پیدا نہیں کیا۔''

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کر کے خوش ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

''میں نے مخلوق کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ اس کا مجھے فائدہ ہو' بلکہ مَیں نے مخلوق کو اس لیے پیدا کیا تاکہ بندوں پر رحم کروں۔''

انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے' اس سے گناہ کا صدور ہو جاتا ہے' مگر جب وہ گناہ کے بعد پچھتاتا اور مغفرت کا طالب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ بخش دیتا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞﴾ (الزمر)

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے: اے میرے بندو جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنی جانوں پر' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ بخشتا ہے سب گناہ۔ وہ جو ہے وہی ہے گناہ معاف کرنے والا۔''

مفسرِ قرآن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: ''یہ آیت ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں اور عفو و درگزر کی شانِ عظیم کا اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت مایوس العلاج گناہگاروں کے حق میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے''۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''مجھے ساری دنیا اور اس کی ہر چیز کے ملنے سے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس آیت کے نازل ہونے سے ہوئی ہے''۔ (مسند احمد)

چونکہ اللہ تعالیٰ مائل بہ کرم ہے اس لیے بندوں کے کچھ گناہ تو ویسے ہی معاف کر دیتا ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں فرمایا: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۞﴾ ''اور جو پڑے تم پر کوئی مصیبت سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ۔'' گویا اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی رحمت سے بہت سے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔ اگر ہر جرم پر گرفت ہوتی تو زمین پر کوئی متنفس بھی زندہ نہ رہتا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ہر صفت بے انتہا ہے' اس طرح اس کی رحمت لامحدود ہے۔ ابوذر غفاری ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کہتا ہے: جو ایک نیکی کرے گا اسے دس گنا ملے گا اور مَیں اس پر بھی اضافہ کروں گا' اور جو برائی کرے گا اس کو صرف ایک برائی کا بدلہ ملے گا اور امکان یہ بھی ہے کہ مَیں اسے معاف کر دوں۔ جو میری طرف ایک بالشت قریب آئے گا مَیں اُس کی طرف ایک ہاتھ قریب آؤں گا' اور جو مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوگا مَیں اس کے دو ہاتھ قریب آؤں گا' اور جو میری طرف چل کر آئے گا مَیں اُس کی طرف دوڑتا ہوا آؤں گا' اور جو مجھ سے زمین کے برابر گناہ کر کے ملے گا مَیں اُس سے اتنی ہی بڑی مغفرت لے کر ملوں گا' بشرطیکہ اُس نے میرا کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔'' (مسلم)

گویا جو شخص شرک کے گناہ سے بچا رہا' نہ صرف اُس کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا دیا جائے گا بلکہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ اس سے گناہ صادر ہوگا اور وہ خالقِ حقیقی سے استغفار

کرے گا تو اُس کا گناہ بخش دیا جائے گا۔

سنن الترمذی میں وارد حدیث قدسی کے الفاظ یہ ہیں:

’’اے ابن آدم! جب تک تُو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امید لگائے رکھے گا مَیں تجھے بخشتا رہوں گا‘ خواہ تیرے عمل کیسے بھی ہوں اور مَیں بے نیاز ہوں۔ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہوں کا ڈھیر آسمان تک پہنچ جائے پھر تُو مجھ سے معافی مانگنا چاہے تو مَیں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت لے کر آؤں گا بشرطیکہ تُو نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرایا ہو‘ اور مَیں بے نیاز ہوں۔ اے ابن آدم! اگر تُو زمین کے برابر خطاؤں کا بوجھ لے کر میرے پاس آئے اور مجھ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ تُو نے شرک نہ کیا ہو تو مَیں اس کے برابر تیرے پاس مغفرت لے کر آؤں گا۔‘‘

شرک کا گناہ ناقابلِ بخشش ہے‘ چنانچہ شرکیہ کاموں سے کوسوں دور بھاگنا چاہیے۔ چونکہ شیطان کو کسی کی بخشش نہیں بھاتی اس لیے وہ انسان کو شرکیہ کاموں کی طرف مائل کرتا ہے۔ وہ تو ’’اَلغَرُور‘‘ یعنی بہت بڑا دھوکے باز ہے‘ وہ طرح طرح سے انسان کو سبز باغ دکھاتا ہے۔ اللہ سے مانگنے کی بجائے قبروں والوں سے مانگنے پر آمادہ کرتا ہے جو شرکیہ کام ہے۔

متذکرہ بالا حدیث میں صاف بتایا گیا ہے کہ شرک سے بچ کر زندگی گزارنے والا اللہ سے معافی چاہے گا تو وہ اس کی توقع سے بڑھ کر معاف کرے گا۔ اگر اس کے گناہ زمین بھر بھی ہوں گے تو وہ بخش دے گا۔ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے‘ اس سے گناہ تو صادر ہوں گے‘ مگر ربّ رحیم خوش خبری سناتا ہے کہ وہ سب گناہوں کو (سوائے شرک) بخش دیتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بندے نے گناہ کیا اور کہا: اے اللہ میرا گناہ بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے گناہ کیا اور اتنا سمجھا کہ اس کا کوئی پروردگار بھی ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے۔ اس کی کچھ مدت بعد پھر گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے رب میرا گناہ بخش دے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے گناہ کیا اور اتنا سمجھا کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جو گناہ بخشتا اور اس پر مواخذہ کرتا ہے۔ پھر کچھ مدّت بعد وہ بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے اے ربّ میرا گناہ بخش دے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے گناہ کیا اور یہ سمجھا کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جو گناہ بخشتا اور اس پر گرفت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’(اگر تیری انابت کا یہی طور ہے)

تو اب جو چاہے کر‘ مَیں نے تجھے بخش دیا۔‘‘ (صحیحین)

اس بندے نے گناہ کیا‘ پھر صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کو گناہ بخشنے والا سمجھا اور بخشش مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا گناہ معاف کر دیا۔ بندے سے پھر گناہ ہو گیا تو اُس نے پھر بخشش چاہی۔ اس سے پھر گناہ ہو گیا اور اس نے پھر بخشش چاہی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا گناہ بخش دیا اور فرمایا: تُو جو چاہے کر مَیں نے تجھے بخش دیا۔ یعنی تُو بندہ ہے‘ بتقاضائے بشریت گناہ تو تجھ سے ہوں گے لیکن اگر تمہارا یہی رویہ رہا کہ گناہ پر پچھتاتا رہا‘ توبہ کرتا رہا تو تیرا گناہ بخشا جاتا رہے گا۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

این درگہ ما درگہ نوامیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ!

یعنی ہمارا دربار ناامیدی والا دربار نہیں‘ اگر تُو سینکڑوں بار بھی توبہ توڑے تو ناامید نہ ہو‘ بلکہ بخشش کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر‘ وہ تیرے گناہ معاف کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا بندہ جب گناہ کے بعد سچے دل سے توبہ کرتا اور بخشش مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ حضرت ابوسعید ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلی اُمتوں میں ایک شخص تھا‘ اُس نے ننانوے قتل کیے تھے۔ اُس نے اپنے شہر کے سب سے بڑے عالم کا دریافت کیا تو اسے ایک درویش کا پتا بتایا گیا۔ وہ اُس کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اُس نے ننانوے قتل کیے ہیں‘ کیا اب بھی اس کے لیے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں! اُس نے اسے بھی قتل کر ڈالا اور پورے سو کر دیے۔ اُس نے پھر کسی بڑے عالم کا دریافت کیا تو اُسے کسی اور عالم کا بتایا گیا۔ وہ اس کے پاس پہنچا اور کہا کہ اس نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے‘ کیا اُس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اُس عالم نے کہا: اُس کے اور اس کی توبہ کے درمیان بھلا کون حائل ہو سکتا ہے! فلاں فلاں بستی میں چلا جا‘ جہاں اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے رہتے ہیں‘ تُو بھی ان کے ساتھ عبادت کر اور اپنے وطن کی طرف واپس مت لوٹ کہ وہ معصیت کی زمین ہے۔ وہ چل پڑا۔ جب نصف راستے پر پہنچا تو اُس کو موت آ گئی۔ یہاں عذاب اور رحمت کے فرشتوں میں حجّت ہونے لگی۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ توبہ کر کے دلی توجّہ سے خدا کی طرف آ رہا تھا‘ جبکہ عذاب کے فرشتوں نے کہا: اس نے اپنی

گزشتہ زندگی میں کبھی کوئی نیک کام کیا ہی نہیں تھا۔ اسی دوران ان کے پاس انسانی صورت میں ایک فرشتہ آیا۔ انہوں نے اس کو اپنا منصف بنا لیا۔ اس نے کہا: دونوں اطراف کا فاصلہ ناپو' جس طرف وہ زیادہ قریب نکلے ادھر ہی کا سمجھا جائے۔ زمین کو ناپا گیا تو وہ نیکوں کی بستی سے نسبتاً ایک بالشت قریب تھا۔ اس لیے رحمت کے فرشتوں نے اسے قبض کر لیا (صحیحین)۔ کہتے ہیں کہ جب فرشتوں نے زمین کی پیمائش شروع کی تو زمین کو حکم ہوا کہ جس طرف اس بندے کا رخ تھا اس طرف ذرا قریب ہو جائے اور جس طرف اس کی پشت تھی اس طرف سے ذرا بعید ہو جائے۔ جب انہوں نے پیمائش کی تو جس جانب اس کا رخ تھا ادھر ایک بالشت زمین کم نکلی۔ گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اسے بخش دیا۔

اس واقعے سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ عدل و فضل کی باگ ڈور صرف اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔ اس لیے صفتِ عدل پر نظر کر کے مایوسی یا اُس کے فضل پر بھروسا کر کے بے خوفی دونوں راہِ صواب نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿يَدۡعُونَ رَبَّهُمۡ خَوۡفٗا وَطَمَعٗا﴾ (السجدۃ:۱۶) ''وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں خوف اور امید کے ساتھ''۔ اپنے رب کو اس طرح پکارنا چاہیے کہ قہر کا خوف اور اس کی رحمت کی طمع ہر وقت لگی رہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کیے' ننانوے حصے اپنے پاس محفوظ رکھے اور صرف ایک حصہ زمین والوں کو بخش دیا۔ یہی ایک حصہ ہے جس سے مخلوق باہم ایک دوسرے کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جانور اپنا پاؤں اپنے بچے سے ہٹا لیتا ہے اس خوف سے کہ کہیں اس پر جا نہ پڑے۔ (صحیحین) اللہ تعالیٰ کی رحمت لامحدود ہے اور لامحدود شے کے حصے نہیں کیے جا سکتے۔ یہ تمثیلی انداز بندوں کو یہ سمجھانے کے لیے ہے کہ اہلِ زمین کو عطا کردہ تھوڑی سی رحمت کا یہ اثر ہے کہ جانوروں اور انسانوں کا اپنے بچوں کے ساتھ کس قدر پیار ہے۔ جو بے حد و حساب رحمت اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھی ہے اس کا اظہار وہ قیامت کے دن کرے گا اور گناہگار انسانوں کے گناہ بخشے گا جن کے لیے وہ چاہے گا۔

اللہ تعالیٰ کو یہ ناپسند ہے کہ کوئی شخص اُس کی رحمت کو محدود سمجھے۔ اس کی ہر صفت کی طرح اس کی رحمت کی بھی کوئی حد نہیں۔ وہ کسی کی مرتے مرتے بھی توبہ قبول کر لے تو یہ بعید نہیں۔

احادیث میں کتنے ہی ایسے لوگوں کا ذکر ملتا ہے کہ ان کی زندگی سالہا سال تک معصیت میں گزری مگر موت سے ذرا قبل انہوں نے توبہ کر کے اصلاح کر لی تو ان کے گناہ بخش دیے گئے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مَیں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سات مرتبہ سے زیادہ سنی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ کفل بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا۔ یہ کسی گناہ سے پرہیز نہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مجبور عورت اس کے پاس آئی' اُس نے ساٹھ دینار اسے اس شرط پر دیے کہ اس سے زنا کرے۔ جب وہ مباشرت کی غرض سے اُس کے اوپر بیٹھ گیا تو وہ کانپ اٹھی اور رو پڑی۔ اس نے پوچھا: کیوں روتی ہے؟ کیا مَیں نے تجھے کچھ مجبور کیا ہے؟ وہ بولی: نہیں! لیکن یہ کام مَیں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں کیا' اب صرف اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر کرنا پڑ رہا ہے۔ اس نے کہا: اچھا کبھی تُو نے یہ کام نہیں کیا اور اب مجبوراً کر رہی ہے۔ جا یہ دینار میں نے تجھے یونہی بخشے اور قسم کھائی کہ آج کے بعد کبھی خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اسی شب اس کا انتقال ہو گیا۔ صبح کو اس کے دروازے پر یہ نوشتہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کو بخش دیا۔ (ترجمان السنہ' ج ا بحوالہ ترمذی)

ماقبل ذکر ہوا کہ سو انسانوں کے قاتل کی بخشش کر دی گئی اس بنا پر کہ اس نے گناہوں سے خلوصِ دل کے ساتھ توبہ کر لی۔ اسی طرح کفل نے معصیت سے سچی توبہ کر لی تو وہ بھی بخشا گیا۔ کسی کو نہیں پتا کہ اُس کی توبہ سچی تھی یا جھوٹی' مگر جس نے توبہ قبول کرنی تھی اُس کو تو معلوم تھا کہ یہ گناہگار تہ دل سے توبہ کر رہا ہے' چنانچہ اُس کی بخشش ہو گئی۔ لوگوں کو تو یہی معلوم تھا کہ یہ وہی کفل ہے جس کی زندگی سراسر گناہوں میں گزری' لہٰذا وہ اس کے مرنے کے بعد اس کے گناہوں کا ذکر کرتے' مگر اللہ تعالیٰ کو اُس کی سچی توبہ پر اس قدر پیار آیا کہ اس کے دروازے پر اُس کی بخشش کا اعلان کر دیا' جسے پڑھ کر ہر شخص کو کفل کی بخشش کا یقین ہو گیا' کیونکہ یہ نوشتہ ایسا تھا کہ کسی انسان کا لکھا ہوا نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر کتنا مہربان ہے جو اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے ہیں جس کے سوا کسی کے پاس بخشش کا اختیار نہیں۔ کسی شخص کے گناہ دیکھ کر اس کے بارے میں گمان کرنا کہ اللہ اس کے گناہ نہیں بخشے گا اور اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا' قطعاً درست نہیں۔ ایسا کہنے والا اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت اور بخشش کو محدود کرتا ہے جو خلافِ حقیقت ہے۔

حضرت جندب ؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ اللہ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کون ہے جو مجھ پر قسم کھا رہا ہے کہ مَیں فلاں کو نہیں بخشوں گا! (جا) مَیں نے فلاں کو بخشا اور تیرے عمل اکارت کیے......‘‘ (صحیح مسلم) اس کی تفصیل مسند احمد میں اس طرح ہے کہ بنی اسرائیل میں دو دوست تھے‘ ایک عبادت گزار اور دوسرا گناہگار۔ عبادت گزار گناہگار سے کہا کرتا کہ گناہ مت کر۔ مگر وہ جواب دیتا: تجھے کیا پڑی ہے‘ مَیں جانوں اور میرا رب۔ دوست نے ایک دن اسے کوئی بڑا گناہ کرتے دیکھا تو پھر اس کو روکا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ تُو مجھ پر داروغہ تو مقرر نہیں۔ اُسے غصہ آیا اور خدا کی قسم کھا کر کہا: جا خدا تیری مغفرت نہیں کرے گا اور نہ تجھے اپنی جنت میں داخل کرے گا۔ اُس وقت اللہ نے موت کا فرشتہ بھیجا اور اس نے دونوں کی روح قبض کر لی۔ جب اللہ کے دربار میں دونوں کی پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے گناہگار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: جا تو میری رحمت سے جنت میں چلا جا۔ پھر دوسرے سے کہا: تیری طاقت ہے کہ تُو میرے بندے پر میری رحمت کو روک دے؟ حکم دیا: اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ اللہ کی شان ’’یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ‘‘ ہے۔ وہ بندے کو کسی ایک گناہ پر پکڑ سکتا ہے اور ایک نیکی پر جنت میں لے جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک نیکوکار عورت نے بلّی کو باندھ کر رکھا اور بھوکا پیاسا مار دیا تو وہ دوزخ میں گئی۔ ایک جسم فروش عورت نے پیاسے کتے پر رحم کھا کر اسے پانی پلا دیا تو اس کو جنت مل گئی۔ عہد نبوی میں کئی مثالیں ہیں کہ لوگوں نے ایک شخص کو نیکوکار دیکھا تو اس کو جنتی خیال کیا مگر رسول اللہ ﷺ نے اسے دوزخی بتایا۔

مختصر یہ کہ گناہ معاف کرنا یا اس پر گرفت کرنا صرف اللہ کا اختیار ہے۔ اسی طرح کسی شخص کی نیکیاں دیکھ کر اسے جنتی خیال کرنا محض خوش گمانی ہے۔ حقیقت حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔ دنیا کے فیصلے تو ظاہری اعمال پر ہوتے ہیں لیکن آخرت میں فیصلے اللہ ہی کرے گا‘ کیونکہ وہی ہے جو علیم بذات الصدور ہے۔ ہم صرف اُن اصحاب کو جنتی کہہ سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نام بنام جنتی کہا ہے یا اُن کی بخشش کی خوشخبری رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ اسی طرح دوزخی صرف اس کو کہہ سکتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ ﷺ نے نام لے کر دوزخی بتایا ہے۔ ورنہ ظاہری اعمال پر نجات یا گرفت کا حکم لگانا کسی کے اختیار میں نہیں۔ ہاں رحمت کی فراوانی دیکھ کر گناہوں پر جری ہونا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ ❁❁❁

بحالتِ روزہ

آنکھ میں دوا ڈالنا اور انجکشن

ایک تحقیقی جائزہ

پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق ☆

آنکھ میں دوا اور انجکشن کے بارے میں مفطر صوم ہونے یا نہ ہونے پر کچھ تفصیل دینے سے پہلے یہ بات سمجھنا اہم ہے کہ بنیادی طور پر ائمہ فقہاء ﷭ اور بعد کے علماء وفقہاء حضرات نے سالہا سال کی کوشش اور محنت سے عوام الناس کے لیے زندگی میں آمدہ مسائل کے حل مرتب کیے ہیں۔ اس طرح لوگوں کے لیے قرآن وسُنّت کی روشنی میں زندگی کے مختلف مسائل میں افضل راہ متعین کرنے کی سعی کی گئی ہے تا کہ عام مسلمانوں کے لیے دین کے مطابق زندگی گزارنے میں آسانی پیدا کی جاسکے۔ اس ضمن میں اجتہادی بنیاد پر رائے میں اختلاف بھی ہوسکتا ہے جو کوئی مذموم بات نہیں ہے۔ مسلمانوں کے آپس کے ایسے ہی اختلاف کو نعمت قرار دیا گیا ہے۔ اختلاف سے انسان کی علمی اور تخلیقی استعداد کو جلا ملتی ہے اور اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ مجتہدین کی بتائی ہوئی جس صورت پر بھی عمل ہو انسان شریعت کے دائرے کے اندر ہی رہتا ہے۔ البتہ غلطی کے امکان یا شک کا فائدہ اس شخص کو ہی ملتا ہے جو نیک نیتی کی بنیاد پر کوئی بھی رائے اختیار کر لیتا ہے۔

فقہی اور مسلکی اختلافات کو مخالفت میں تبدیل کرنا انصاف کا تقاضا نہیں ہے اور اس صورت میں یہ اختلاف رحمت نہیں بلکہ زحمت کا باعث بن جاتا ہے۔ کسی بھی فقہی رائے کو اختیار کرنے سے کوئی اسلام کے دائرے سے خارج نہیں ہو جاتا‘ البتہ فقہی اختلافات کی بنا پر یا اس کو

☆ پشاور میڈیکل کالج‘ پشاور professornajib@yahoo.com

بہانہ بنا کر قرآن یا حدیث کا بالواسطہ انکار اور خواہش نفس کی پیروی کرنا قابل مذمت ہے۔

اگر ایک مسئلے میں ائمہ اربعہ یا فقہاء کرام کی دو مختلف رائے موجود ہوں تو ایک کے اختیار کرنے اور دوسری کو چھوڑ دینے کو کفر اور اسلام کا معاملہ نہیں بنایا جا سکتا۔ البتہ کسی بھی رائے کے اختیار کرنے کی بنیاد ہوائے نفس نہیں بلکہ احکام شریعتِ محمدی ﷺ پر بہتر طریقے سے عمل کی کوشش ہونی چاہیے۔ قرآن و حدیث کے واضح احکام کے بعد اپنی رائے یا مسلک کے لیے تاویلات نہیں ڈھونڈنی چاہئیں۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ کسی مسئلے میں رائے قائم کرنے کا اختیار ہر شخص کا کام نہیں۔ یہ صرف علماء کرام وفقہاء عظام کا کام ہے اور عام لوگوں کو انہی کی رائے کو اختیار کرنا چاہیے۔ جس طرح ہم زندگی کے مختلف شعبوں میں اس شعبے کے سپیشلسٹ کے پاس جاتے ہیں اور اُس کی رائے یا ہدایت ہی پر عمل کرتے ہیں اسی طرح شرعی معاملات میں بھی شریعت کے سپیشلسٹوں (علماء وفقہاء) کے پاس جانا چاہیے اور ان کی رائے اور ہدایات پر عمل کرنا چاہیے۔

اس اصولی بات کو بھی ابتدا ہی میں سمجھنا انتہائی اہم ہے کہ طبّی معاملات میں فیصلے کرنے کے لیے دین کا جامع علم ہونا ضروری ہے۔ صرف چند معلومات کی بنیاد پر یا چند فقہی قواعد پڑھ کر کوئی شخص (بشمول ڈاکٹر) آزادانہ فیصلے نہیں کر سکتا۔ بلکہ اپنی معلومات اور محدود علم کی بنیاد پر کسی طبّی معاملے میں غور وفکر کے بعد ہم جس بھی نتیجے پر پہنچیں اس پر فقہائے کرام کی منظوری کے بعد ہی عمل کیا جائے۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ نے تقلید اور اتباع کے فرق کو واضح کرتے ہوئے اس سلسلے میں بڑی جامع بات کہی ہے کہ ''تقلید کے معنی ہیں دلائل سے قطع نظر کرتے ہوئے کسی شخص کے قول وفعل کی پیروی کرنا' اور اتباع سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کے طور طریقے کو بربنائے دلیل پسند کر کے اس کی پیروی کرنا۔ پہلی چیز عامی کے لیے ہے اور دوسری عالم کے لیے ہے۔''
(رسائل ومسائل۔تقلید اور اتباع کے ایک سوال کا جواب)

پس ہم جیسے ناقص العلم لوگوں کے لیے اس بات کا خیال رکھنا انتہائی اہم ہے کہ مبادا دین کا بنیادی مکمل علم نہ ہونے کی وجہ سے کسی شدید اور خطرناک غلطی کے مرتکب نہ ہو جائیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ علم اور بدلتے زمانے کے ادراک کے بغیر مسائل کا حل تجویز کرنا

مناسب نہیں ہے اور اسی لیے فقہاء کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ: من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل یعنی جو زمانہ کا عرف نہ پہچانتا ہو وہ جاہل ہے۔ اس لیے فقہاء ہر میدان عمل میں حکم شرعی کے انطباق سے قبل اس میدان کے عملی تقاضوں سے آگاہی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی طرح عرف کے لیے کسی علاقہ کے معروضی حالات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگوں اور علماء کی اکثریت کی عمومی ''فکر'' کی نہج کیا ہے۔ مثلاً جس علاقے میں شافعی یا حنبلی فکر کے افراد زیادہ ہوں وہاں عمومی طور پر انہی ائمہ کی فقہ کی بنیاد پر فتویٰ دینا مناسب ہوگا۔ اسی طرح جہاں اَحناف کی اکثریت ہو تو عام طور پر فقہ حنفی ہی مسائل کے حل کی عمومی بنیاد ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے یہ اصول نصوص میں نہیں صرف فقہی مسائل میں لاگو ہوگا۔ فقہی مسائل میں معروضی حالات اور زمانہ کی اہمیت پر مولانا محمد تقی امینیؒ نے اپنی کتاب ''احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت'' میں تفصیلی بحث کی ہے۔

مراکش اور سعودی عرب میں ایک مسلک کے لوگوں کی اکثریت ہے جبکہ پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ کے عوام کی اکثریت دوسرے مسلک سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لیے فقہاء کی رائے کو وہاں کے حالات کے تناظر میں قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ لیکن ہر ملک کے عوام پر ایسے مخصوص مسلک کی رائے کو مسلّط نہیں کیا جانا چاہیے جو ان معاشروں اور ممالک کے عوام کے عمومی فکر کے خلاف ہو۔

خلیفہ ہارون الرشید نے جب امام مالک رحمہ اللہ کی کتاب ''موطأ'' کو کعبہ میں آویزاں کرنے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کا پابند کرنے کے حوالے سے امام مالک رحمہ اللہ سے مشورہ کیا تو انھوں نے اس سے منع فرمایا۔ اسی طرح خلیفہ ابوجعفر المنصور نے امام مالکؒ سے موطأ امام مالک کی کاپیاں بنا کر مختلف علاقوں میں بھیجنے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے اور کسی دوسری فقہ پر عمل نہ کرنے کے حوالے سے مشورہ مانگا تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ لوگوں کے پاس پہلے سے مختلف احادیث اور فقہ موجود ہیں' لہٰذا انھیں اسی پر عمل کرنے دیا جائے اور صرف اس کتاب پر پابند کرنے سے منع فرمایا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: موطا کی شرح التعلیق المُمجد از عبدالحی لکھنوی' مقدمۃ الشارح، الفائدۃ السابعۃ)

اب ہم آنکھ میں دوا اور انجکشن کے مفسدِ صوم ہونے یا نہ ہونے پر مندرجہ بالا معروضات

کی روشنی میں کچھ تفصیل جاننے کی کوشش کریں گے۔

مفاسدِ صوم کے سلسلے میں ۲۰۱۹ء میں پشاور میڈیکل کالج اور جامعہ عثمانیہ پشاور کے باہمی تعاون سے ایک فقہی کانفرنس منعقد کی گئی‘ جس میں پاکستان کے ساٹھ سے زائد علماء کرام وفقہاء عظام نے شرکت کی۔ ان میں کراچی‘ سرگودھا‘ فیصل آباد‘ کوئٹہ‘ ملتان‘ راولپنڈی‘ خانیوال‘ چارسدہ‘ کوہاٹ اور صوابی وغیرہ کے مشہور مدارس کے علماء وفقہاء شامل تھے۔ ان میں دارالعلوم کراچی‘ جامعۃ الرشید کراچی‘ جامعہ بنوریہ عالمیہ کراچی‘ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور جامعہ عثمانیہ پشاور کے علماء اور نائب امیر جماعت اسلامی و ڈائریکٹر تفہیم دین اکیڈمی حیات آباد‘ پشاور بھی شامل تھے۔

راقم نے تصاویر اور ویڈیوز کی مدد سے تمام شرکاء کو روزہ سے متعلق طبّی اعضاء کی ساخت اور اَعمال سے آگاہ کیا۔ بعد میں حسبِ پروگرام مسائل پر بحث کے لیے علماء حضرات کو تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر گروپ کے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی طبّی رائے دینے کے لیے موجود تھا۔ اس کی مختصر روداد جامعہ عثمانیہ کے ماہانہ مجلّہ ’’العصر‘‘ میں شائع ہو چکی ہے۔ انجکشن اور آنکھ میں دوا ڈالنے کے بارے میں کانفرنس کی رائے یہ تھی:

> ’’تین حضرات کے علاوہ تمام شرکاء کا اتفاق ہے کہ آنکھ میں سرمہ اور دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ان تین حضرات کی رائے یہ ہے کہ سیال چیز ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے‘ البتہ جامد جیسے سرمہ ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔
>
> انجکشن وریدی ہو یا عضلاتی مفسدِ صوم نہیں ہے‘ البتہ بلاضرورت طاقت اور غذا کے لیے انجکشن لگانا حکمت صوم کے خلاف ہے۔ (اس رائے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔)‘‘

اب ہم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان دو مسائل کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

آنکھ میں دوا ڈالنا

آنکھ کے بارے میں یہ بدیہی حقیقت انسان کے ذاتی مشاہدے میں ہمیشہ سے رہی ہے کہ آنکھ میں ڈالی گئی سیال چیز کا ذائقہ منہ میں محسوس ہوتا ہے۔ یہی علم یقیناً خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کو بھی تھا‘ اور یہ آپ ﷺ سے آنکھ میں سرمہ ڈالنے سے روزہ ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے سوال سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ آنکھ میں دوا ڈالنے پر روزہ نہ ٹوٹنے کا فتویٰ دراصل

رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل احادیث پر ہے۔

(۱) سیّدنا انس بن مالک ؓ کے متعلق روایت ہے کہ وہ روزے کی حالت میں سرمہ لگایا کرتے تھے۔(ابوداؤد:۲۳۷۸)اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے حسن موقوف قرار دیا ہے۔

جناب اعمش رحمہ اللہ (یہ صغارِ تابعین میں سے ہیں) کہتے ہیں: مَیں نے اپنے اہلِ علم دوستوں (فقہاء ومحدثین) میں سے کسی کو نہیں پایا کہ روزے دار کے لیے سرمے کو مکروہ سمجھتے ہوں۔ اور ابراہیم نخعیؒ اجازت دیتے تھے کہ روزے دار ایلوا کو بطور سرمہ استعمال کرے۔

(تشریح: روزے کی حالت میں آنکھ میں سرمہ لگانا یا دوا ڈال لینا جائز ہے۔ابوداؤد:۲۳۷۹)

(۲) حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے روزے کی حالت میں سرمہ لگایا۔(ابن ماجہ:۱۶۷۸)اس حدیث کوکئی محققین نے صحیح قرار دیا ہے۔

اس سلسلے میں اختلافی رائے رکھنے والے بعض حضرات عبدالرحمٰن بن نعمانؒ (راوی) کی مندرجہ ذیل حدیث کا حوالہ دیتے ہیں' جس میں سرمہ کو مفسدِ صوم کہا گیا ہے۔

(۳) عبدالرحمٰن بن نعمانؒ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ سوتے وقت کستوری ملا سرمہ استعمال کیا جائے۔ اور فرمایا:''روزہ دار اس سے پرہیز کرے۔''

لیکن امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔(ابوداؤد:۲۳۷۷)

اس لیے عمومی رائے یہی ہے کہ آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس کا اصولی تعلق منفذ کے ہونے یا نہ ہونے سے نہیں ہے۔ دورِ رسالت میں بھی لوگ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ آنکھ سے کوئی چیز حلق میں پہنچ سکتی ہے اور اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے روزے میں سرمہ کے استعمال کی اجازت دی۔ پس یہ آنکھ میں دوا کو مفسدِ صوم نہ سمجھنے والوں کے لیے قوی دلیل ہے۔ احناف کے نزدیک یہ تقریباً متفق علیہ مسئلہ ہے۔

البتہ بعد کے فقہاء نے اس بات پر ضرور بحث کی ہے کہ آنکھ اور منہ کے درمیان باقاعدہ نالی (duct) ہے یا یہ تعلق مساموں (pores) کی صورت میں ہے۔ جدید علمِ طب سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ ایک باقاعدہ نالی (lacrimal duct) کی شکل میں ہے۔ (اس کی تفصیل راقم کی کتاب ''تشریح الابدان'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔)

جو حضرات مفسدِ صوم ہونے کے لیے سرمہ (ٹھوس) اور مائع دوا میں فرق کرتے ہیں ان کی

رائے یہ ہے کہ سرمہ تو اس نالی کے ذریعے حلق میں داخل نہیں ہوتا لیکن مائع دوائی فوراً حلق میں پہنچ جاتی ہے اور پھر اس سے معدے میں بھی پہنچ جاتی ہے' اس لیے یہ مفسدِ صوم ہوئی۔ جامعہ دار الاسلامیہ کے ایک فتویٰ میں بھی اس کا ذکر ہے' اگرچہ ان کا فتویٰ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہ ہونے پر ہے۔

آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہ ٹوٹنے پر ائمہ متبوعین میں سے امام مالکؒ کے علاوہ باقی ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ سے سرمے کا ذائقہ منہ میں محسوس ہونے کی صورت میں روزے کے دوران سرمہ لگانے کی کراہت منقول ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے بلا عذر مَردوں کے لیے سرمہ لگانے کی مطلقاً (خواہ رمضان ہو یا نہیں) کراہت بھی منقول ہے۔ (فتویٰ نمبر:144008200800 جامعہ دار العلوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)

مشہور حنفی عالم مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے اس معاملے میں بڑی صائب رائے کا اظہار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''ہماری تحقیق کے مطابق آنکھ میں دوا ڈالنے یا کسی بھی قسم کا انجکشن لگانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے' بعض علماء کے نزدیک اِس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ جس مسئلے کے بارے میں قرآن و حدیث میں صریح حکم نہ ہو' وہ مسئلہ اجتہادی کہلاتا ہے' اس میں لوگوں کو جس عالم پر اعتماد ہو' اُس کے فتوے پر عمل کریں۔'' (مضمون ''روزے کے چند ضروری مسائل'' روزنامہ دنیا' ۵ مئی ۲۰۱۹ء)

اگر کوئی صاحب اس معاملے میں زیادہ احتیاط کرنا ہی چاہتے ہیں تو وہ دوا ڈالتے وقت اپنی آنکھ کے اندرونی حصے (ناک والی سائڈ) کو اُنگلی سے کچھ دیر کے لیے دبائے رکھیں تاکہ آنکھ کی نالی کے ذریعے سے مائع دوا حلق میں داخل نہ ہو سکے۔

روزہ اور انجکشن

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں انجکشن ایجاد نہ ہوئے تھے' اس لیے ہمیں دورِ رسالت میں اس سلسلے میں کوئی واضح ہدایت نہیں ملتی۔ البتہ انجکشن کی ایجاد اور استعمال کے بعد اس کے مفطرِ صوم ہونے یا نہ ہونے پر علماء کرام نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کیا۔ ان فیصلوں

کی دو اصولی بنیادیں ہیں:

۱) روزے کی مقصدیت کو سامنے رکھتے ہوتے مغذی (غذا کے متبادل) اور غیر مغذی انجکشن کے بارے میں احکام کو مرتّب کرنا۔

۲) اسلامی تعلیمات کے مطابق بدن کی ساخت (اناٹومی) کے مطابق ایسے راستوں کا تعین جس سے کوئی چیز انسان کے معدے میں پہنچ جائے اور جو روزہ توڑنے کا موجب بنے۔

اس میں مغذی اور غیر مغذی کی تفریق نہیں کی گئی' کیوں کہ اگر مٹّی یا کوئی مضرِ صحت چیز بھی کھالی جائے تو اس سے بھی بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

فقہاء کرام نے معتاد (Natural) اور غیر معتاد (Un-natural or man-made routes) منافذ کا تعین کیا ہے۔ منافذِ اصلی بدن کے وہ فطری راستے ہیں' جن کے ذریعے کوئی چیز جوفِ بطن تک پہنچتی ہے۔ البتہ ''جوفِ بطن'' کی تعریف میں فقہاء کرام میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد صرف معدہ (stomach) ہے' جب کہ دوسرے حضرات پوری آنت (alimentary canal) کو جوفِ بطن سمجھتے ہیں اور یہی مفاسدِ صوم میں اختلاف کی وجہ بھی بنتی ہے۔ مفاسدِ صوم کے بارے میں معدے تک کسی چیز کے پہنچنے کو لازم قرار دینے کے لیے سورۃ البقرہ کی اس آیت کا حوالہ دیا جاتا ہے' جس میں روزے کا تعلق کھانے اور پینے سے ہے نہ کہ کسی اور ذریعے سے۔ (مباشرت اس کے علاوہ ہے۔)

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۸۷)

''اور (رات کو) کھاؤ اور پیؤ یہاں تک کہ صبح کی سفیدی (سفید ڈوری) (رات کی) سیاہی (سیاہ ڈوری) سے الگ ہو کر ظاہر ہو جائے' پھر رات تک روزہ کو پورا کرو۔''

یعنی اس بات کی پابندی کرے کہ مقررہ وقت کے بعد کوئی چیز معدے میں داخل نہ ہو۔ اور اگر کسی نے ایسا ذریعہ اختیار کیا جس سے کوئی چیز بلا واسطہ یا بالواسطہ معدے میں داخل نہ ہو تو یہ مفطرِ صوم نہ ہوگا۔ اسی بنیاد پر بعض حضرات کھانے پینے اور مباشرت کے علاوہ دوسری چیزوں کو روزہ ٹوٹنے کا سبب نہیں مانتے۔

کھانے پینے کے معاملے میں کسی چیز کے مغذی (Nutritional) یا غیر مغذی (Non Nutritional) ہونے کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور دونوں ہی کے استعمال سے روزہ

ٹوٹ جاتا ہے۔اس پر سب کا اتفاق ہے۔البتہ انجکشن کے معاملے میں اختلاف ہے۔غیر مغذی (Non Nutritional) انجکشن کے بارے میں عمومی اتفاقِ رائے یہی ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔اسی موقف کی سعودی عرب کی اسلامی فقہ اکیڈمی کے دسویں اجلاس ۱۹۹۷ء منعقدہ جدہ میں بھی تائید کی گئی ہے۔(اردو ترجمہ: الفقه الاسلامی والادلة،الاستاذ دکتور وهبة الزحيلی)

عبد الرحمٰن الجزیری رحمہ اللہ نے کتاب ''الفقه علی المذاهب الاربعة'' (اردو ترجمہ منور احسن عباسی) میں ''مفسداتِ صوم کا بیان'' میں اس اور دوسرے متعلقہ مسائل پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس سے بھی عمومی نتیجہ یہی نکالا ہے کہ ''انجکشن چاہے بازو پر ہو یا کولہے پر یا کسی اور جگہ پر' روزہ فاسد نہیں ہوتا۔''

البتہ مغذی (Nutritional) انجکشن کو مفطر صوم سمجھنے میں اختلاف ہے۔جو علماء کرام اس کو مفطر صوم سمجھتے ہیں ان کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ اس سے انسانی جسم کو غذا میسّر ہو جاتی ہے اور اس بنا پر یہ روزے کے ٹوٹنے کا سبب ہے۔لیکن دوسری رائے رکھنے والوں کے دلیل یہ ہے کہ غذائیت کو فی نفسہٖ روزہ ٹوٹنے کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔مثلاً اگر معدے میں ایک ایسی چیز داخل ہو جائے جس کی غذائی حیثیت صفر (مثلاً مٹّی) ہو تو کیا اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا؟ اس کا مفطر صوم ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔اسی اصول کی بنیاد پر کسی چیز کا مُغذی یا غیر مُغذی ہونے کو مُفطر ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ان کی رائے میں اسی وجہ سے کسی چیز کا مفطرِ صوم ہونے یا نہ ہونے کا تعلق بدن میں اس چیز کے داخلے کے راستے (منافذ) سے ہوگا۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے اور جنسی خواہش پوری کرنے کو منع کیا۔آنکھ' کان یا ناک میں دوا ڈالنا اس زمرے میں نہیں آتا اور کوئی بھی ان اعضاء کو کھانے یا پینے کے لیے استعمال نہیں کرتا۔ہم نے کبھی بھی نہ سنا نہ دیکھا کہ کسی نے کان' ناک' آنکھ' مقعد یا مرد کے آلہ تناسل کو اس مقصد (یعنی کھانے) کے لیے استعمال کیا ہو۔''

لیکن اس کے خلاف رائے رکھنے والوں کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے جس میں آپ نے رمضان میں ناک میں بہت اندر تک پانی کھینچنے سے منع فرمایا ہے۔حدیث میں

ہے کہ ’’ناک میں پانی اندر تک کھینچ لیا کرو سوائے اس کے جب تم روزے سے ہو۔‘‘ (ترمذی‘ کتاب الصوم)

پس کسی چیز کے مفطر ہونے یا نہ ہونے کے لیے درج ذیل اصول پیش نظر رکھنا بہتر ہوگا۔

۱) کسی چیز کا جوف معدہ (بطن) میں داخل ہونا۔

۲) چیز کا معتاد راستوں (منافذ اصلی۔Natural orifices) سے داخل ہونا۔

۳) چیز کا منفذ اصلی کے ذریعے اس طرح داخل ہونا کہ وہ معدہ میں رہ جائے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ کیا کسی چیز کے معدے میں داخل ہونے کے لیے نیت یا اردے کا دخل بھی ہوگا؟

کسی چیز کا ارادتاً بدن میں اس طرح داخل کرنا کہ وہ معدے تک پہنچ جائے روزے کے فاسد ہونے کا یقینی سبب ہے۔ لیکن بلا اختیار یا بلا ارادہ کسی چیز کے معدے میں داخل ہونے کی صورت مختلف ہوگی اور اس میں ارادے اور اختیار کے درجے (حد) کا خیال رکھا جائے گا۔ مثلاً مکھی اگر بلا اختیار و ارادہ مُنہ میں داخل ہوگئی اور حلق سے نیچے اتر گئی (نگل لی گئی) تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا‘ کیونکہ یہ پورے کا پورا عمل غیر اختیاری ہے۔ لیکن وضو کرتے وقت پانی منہ میں ڈالا اور غلطی سے حلق سے نیچے چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ یہاں پانی منہ میں ڈالنا اختیاری ہے اور اس کا حلق سے نیچے اترنا غیر اختیاری۔ اسی طرح قے کے بارے میں اکثریتی موقف یہی ہے کہ کسی کو بلا ارادہ قے (اگرچہ منہ بھر بھی ہو) آئی اور منہ سے ہی خود بخود واپس لوٹ گئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا‘ لیکن اگر قصداً قے کی یا قصداً لوٹائی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس سے نیت اور ارادے کی اپنی اہمیت بھی ثابت ہوتی ہے اور یہ کہ نیت کا بھی کسی چیز کے مفطر ہونے یا نہ ہونے سے تعلق ہے۔ جس چیز کا کھالینا نہ مقصود ہے نہ اس سے بچنا ممکن ہے اس کے بلا ارداہ نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اسی وجہ سے دو چار قطرے آنسو یا چہرے کا پسینہ یا کلّی کے بعد لعابِ دہن کے ساتھ پانی کی نمی نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اسی طرح ہوا میں موجود دھواں یا گرد و غبار سانس لیتے وقت بلا اختیار اندر داخل ہو جائے اور اس کا ذائقہ محسوس بھی ہو تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ یہی صورت چکّی یا مشین کے غبار کی بھی ہے۔ لیکن اگر سگریٹ کا دھواں ارادتاً حلق میں داخل کیا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا‘ لیکن قریب ہی کھڑے شخص کی سانس کے ساتھ سگریٹ کا یہی دھواں اندر چلا جائے تو یہ اس کے

روزے کے فاسد ہونے کا سبب نہیں بنتا۔

کیا کسی چیز کا صرف منفذ اصلی میں داخل ہونا ہی مفسد صوم ہے؟

کسی چیز کا صرف منفذ اصلی میں داخل ہونا ہی کافی نہیں‘ بلکہ اس کا جوفِ معدہ تک پہنچنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً اگر کوئی چیز (مثلاً سکہ) منہ میں ڈالی گئی اسے چوسا بھی اور پھر اسے باہر نکال لیا گیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن اگر اس پر کوئی ایسا مادّہ لگا تھا (مثلاً مٹھاس) جو اصل چیز (سکہ) نکالنے کے بعد منہ میں رہ جائے اور نتیجتاً (مٹھاس) معدے تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اسی لیے اگر میٹھی گولی وغیرہ منہ میں ڈالی اور چوسی گئی تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا‘ کیونکہ اس طرح کچھ نہ کچھ مٹھاس لعابِ دہن میں شامل ہوکر حلق کے ذریعے معدہ میں پہنچ جاتی ہے۔

انجکشن کے بارے میں عصر حاضر کے مشہور فقیہ‘ سعودی عرب کے شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

> ’’اس (انجکشن لگانے والے) کا روزہ صحیح ہے‘ اس لیے کہ رگ میں انجکشن لگانا کھانا پینا تو نہیں‘ اور اسی طرح عضلات میں لگائے جانے والے ٹیکے بھی بالاولیٰ صحیح ہیں‘ لیکن اگر احتیاط کرتے ہوئے روزہ کی قضا میں روزہ رکھے تو یہ بہتر اور اچھا ہے‘ اور جب ضرورت محسوس ہو ایسے ٹیکے رات میں لگانے زیادہ بہتر اور احسن ہیں اور احتیاط بھی اسی میں ہے تاکہ اس مسئلہ میں اختلاف سے بچا جاسکے۔‘‘ (مجموع الفتاویٰ: ۲۵۷/۱۵)

یعنی بدن کو فائدہ نہ دینے والے غیر مغذی انجکشن کی مفطر صوم نہ ہونے کی بنیاد انجکشن کے بدن میں داخل ہونے کا راستہ (منفذ) ہے کہ یہ منافذِ اصلیہ میں سے نہیں ہے۔ لیکن مُغذی انجکشن میں اس اصول کو چھوڑ کر اس کو ’’غذا کے نعم البدل‘‘ کے طور پر استعمال کی وجہ کو مفطرِ صوم ہونے کا سبب بیان کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ میں ہے کہ ’’بیمار کو گلوکوز ڈرپ لگا سکتے ہیں‘ البتہ بلاضرورت طاقت کا گلوکوز لگوانا مناسب نہیں‘ یہ مقصدِ روزہ کے خلاف ہے۔ (دار الافتاء دارالعلوم دیوبند۔ فتویٰ:1292-882/L=11/U-1434)

’’تفہیم المسائل‘‘ میں مولانا گوہر رحمٰن رحمہ اللہ نے انجکشن سے روزہ ٹوٹنے کے بارے میں لکھا ہے کہ ’’مولانا مودودی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ انجکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے‘ لیکن میری

رائے میں علماءِ دیوبند کا فتویٰ درست ہے۔" (تفہیم المسائل' جلد اول) مولانا خالد سیف اللہ رحمہ اللہ نے بھی انجکشن کے مفسدِ صوم نہ ہونے کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔(جدید فقہی مسائل)

غسل یا جسم پر تیل کی مالش کو بالاتفاق روزہ نہ ٹوٹنے کا سبب قرار دیا گیا ہے' اگرچہ دونوں صورتوں میں مساموں کے ذریعے پانی یا تیل کا کچھ نہ کچھ حصّہ بدن میں داخل ہو جاتا ہے۔لیکن مساموں کے منافذِ اصلی (Natural orifices) نہ ہونے کے سبب یہ مفسدِ صوم میں شمار نہیں ہوتا۔ یہی صورت جلد پر ایسی دوا لگانے کی صورت میں بھی ہے جس کا مقصد ہی جلد کے ذریعے دوا کو بدن میں داخل کرنا ہوتا ہے' لیکن اس کو مفاسدِ صوم میں شمار نہیں کیا جاتا۔انجکشن کو مُفطرِ صوم نہ سمجھنے کی بنیاد بھی منافذِ اصلی سے اس کا معدے میں داخل نہ ہونا ہے۔

روزے کی مقصدیت

ایک اور متعلقہ بحث روزے کی مقصدیت بھی ہے۔بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر مغذی انجکشن (ڈرپ اور طاقت کا انجکشن وغیرہ) روزہ کے بنیادی مقصد ہی کے خلاف ہے تو پھر اس کو مفسدِ صوم ہی ماننا چاہیے۔لیکن اس معاملے میں ہمیں فتویٰ اور تقویٰ کے بنیادی فرق کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ایک ہے کسی کام کی قانونی حیثیت کے بارے میں رائے (فتویٰ) جبکہ دوسرا اس کام سے متعلقہ مقاصد کے حصول کے بارے میں کام کا معیار اور اس کی نوعیت (تقویٰ) ہے۔ اس کی تشریح میں قرآن وحدیث سے دو امثال پیش خدمت ہیں۔

قرآن حکیم میں نماز کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡهٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ ؕ﴾ (العنکبوت: ۴۵) "بیشک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔" تو کیا جو لوگ نماز پڑھنے کے باوجود بُرے کام کرتے ہیں اُن کی نماز نہیں ہوتی؟ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اُن کی نماز قانونی طور پر تو ادا ہوگئی' لیکن جس معیار کی نماز اللہ چاہتا ہے جس سے وہ فحش اور برے کام سے رُک جائیں' یہ ویسی نماز نہیں ہے اور اس میں بہتری کی ضرورت ہے۔

روزے کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے روزے کی حالت میں بےہودہ باتیں (مثلاً: غیبت' بہتان' تہمت' گالی گلوچ' لعن طعن' غلط بیانی وغیرہ) اور گناہ کا کام نہیں چھوڑا' تو اللہ تعالیٰ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔" (صحیح بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ ''کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ ان کو اپنے روزے سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا (کیونکہ وہ روزے میں بھی بدگوئی' بدنظری اور بدعملی نہیں چھوڑتے) اور کتنے ہی رات کے تہجد میں قیام کرنے والے ہیں جن کو اپنے قیام سے ماسوا جاگنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔'' (دارمی' مشکوٰۃ)

ان احادیث سے بظاہر یوں لگتا ہے کہ جو لوگ یہ گناہ کرتے ہیں' ان کا روزہ نہیں ہوا۔ لیکن علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قانونی طور پر ان لوگوں کا روزہ ہو جاتا ہے اور ان پر کوئی قضا یا کفارہ نہیں ہے۔ البتہ شاید ایسے روزے سے ان لوگوں کو روزے کے بنیادی مقصد یعنی تقویٰ کے حصول میں کوئی مدد نہ ملے' کیوں کہ انہوں نے روزے کی روح (حصولِ تقویٰ) کے خلاف حرکتیں کیں۔ اور شاید یہی صورت روزے پر اجر کی بھی ہو۔ واللہ اعلم!

بعینہٖ یہی صورت ان حضرات کی بھی ہے جو روزے کی عمومی تکلیف کو کم کرنے کے لیے ڈرپ یا رگ میں غذائی مواد کا استعمال کریں۔ ان کے اس فعل کو مفسدِ صوم تو نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن یہ روزے کی روح کے خلاف ہے اور اس روزے سے وہ مقصد اور تقویٰ حاصل نہ ہوگا جو مطلوب ہے۔

علماء میں ایسا ہی اختلافِ رائے پچھنے یا سینگی لگانے (حجامہ) میں بھی ہے۔ علّامہ سید محمد بن اسماعیل الصنعانیؒ نے اپنی کتاب ''سبل السلام'' میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ (سبل السلام حصہ دوم' مترجم عبدالرحمٰن کیلانی' طابع: شریعہ اکیڈمی' اسلام آباد)

یہی صورت بیماری کی تعیین میں بھی ہے۔ ''بدایۃ المجتہد'' میں ہے:

''اس بیماری کی تعیین کے سلسلے میں جس میں مریض کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے' علماء میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد ہر وہ بیماری ہے جس میں روزہ رکھنے سے نقصان اور ضرر کا اندیشہ ہو۔ یہ امام مالکؒ کا قول ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد وہ بیماری ہے جو غالب ہو۔ یہ امام احمدؒ کا قول ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ جب لفظ مریض کا اطلاق ہو جائے تو وہ روزہ توڑ سکتا ہے۔

اسی طرح سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے یا نہ رکھنا۔ اس میں علماء کے تین اقوال ہیں۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ روزہ رکھنا افضل سمجھتے ہیں جب کہ امام احمدؒ نہ رکھنا۔ اور بعض لوگ تخییر (پسند کے مطابق ایک یا دوسری چیز کا انتخاب یا ترجیح) کے قائل ہیں اور کسی ایک کو

افضل نہیں سمجھتے۔‘‘(بدایۃ المجتھد و نھایۃ المقتصد لابن رشد‘ ترجمہ ڈاکٹر عبید اللہ فراحی)

ان مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فقہی معاملات میں آپس کا اختلاف کوئی نئی بات نہیں ہے اور نہ ہی صرف کسی ایک رائے کو ٹھیک ماننا اور باقی کو یکسر مسترد کرنا احسن طریقہ ہے۔ ہر فقیہ اپنی فہم کے مطابق قرآن وسُنّت سے استدلال کی بنیاد پر اجتہاد کر کے اپنی رائے قائم کرتا ہے اور اگر غلطی بھی کر جائے تو بھی ایک اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ))(متفق عليه)

’’جب کوئی حاکم فیصلہ کرتا ہے اور اجتہاد کرتا ہے پھر صواب کو پہنچتا ہے تو اُس کے لیے دوہرا اجر ہے‘ اور اگر فیصلہ کرتا ہے اور خطا کر جاتا ہے تو اُس کے لیے ایک اجر ہے۔‘‘

ان تمام گزارشات کا مقصد اس مسئلہ (یعنی انجکشن کو مُفطرِ صوم ماننا یا نہ ماننا) کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء کو بیان کرنا ہے اور ساتھ ہی اس کو زیادہ قوی دلائل کی بنیاد پر مفطرِ صوم نہ سمجھنا ہے۔ لیکن اس سے قطعاً یہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ جو لوگ انجکشن (خاص کر مُغذی) کو مُفطرِ صوم سمجھتے ہیں ان کی دلیلیں بودی ہیں یا کوئی وزن نہیں رکھتیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اختلافی فقہی مسائل کو دین کا بنیادی مسئلہ بنائے بغیر اعتدال پر قائم رہا جائے۔ ترجیحات کے لحاظ سے دین‘ شریعت‘ مذہب (مسلک) اور ’’ذوق‘‘ (سُنّت عادیہ/زائدہ) کو اپنے اپنے مقام پر رکھا جائے۔ ہم جیسے لوگوں کے لیے بہتر بلکہ ضروری ہے کہ علماء کرام ہی کی کسی رائے (فتویٰ) پر عمل کریں اور اپنی رائے قائم نہ کریں‘ اِلّا یہ کہ علماء کرام سے اس کی تصدیق کروالیں۔ مخالف رائے رکھنے والے علماء کے فتاویٰ کو مذموم نہ سمجھا جائے۔ اپنی رائے پر بے جا شدّت کا اظہار نہ کیا جائے اور نہ ہی دوسروں کی رائے کا یکسر انکار کر کے اس کی سختی سے مخالفت کی جائے۔ اختلاف (difference of opinion) اور مخالفت (opposition) میں فرق کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا جائے تاکہ اُمّت میں توڑ کی بجائے جوڑ پیدا ہو اور تفرقہ بازی سے بچا جا سکے۔

نوٹ: راقم مضمون پر نظر ثانی کے لیے جامعہ عثمانیہ کے مفتی محمد یحییٰ صاحب کا شکر گزار ہے۔

❁❁❁

رمضان، قرآن
اور
مُسلمانانِ پاکستان

بانی تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے چند فکر انگیز خطابات پر مشتمل کتاب

جس میں رمضان المبارک اور قرآن حکیم کے باہمی تعلق کی وضاحت کے ساتھ ساتھ قرآن میں خاص طور پر مسلمانانِ پاکستان کے لیے موجود عملی راہنمائی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سفید کاغذ | دیدہ زیب ٹائٹل | مضبوط جلد

صفحات: 208 | قیمت: 600 روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
0301-111 53 48 maktaba.com.pk
Email:maktaba@tanzeem.org

Apr. 2023
Vol.72

Regd. CPL No.115
No.4

Monthly Meesaq Lahore